جلد ۲۵ — وقد اخذ میثاقکم ان کنتم مومنین — عدد ۳

ماہنامہ میثاق لاہور

مارچ ۱۹۷۷ء

★

مدیر مسئول

ڈاکٹر اسرار احمد

★

مرتب

جمیل الرحمٰن

یکے از مطبوعات

مرکزی مکتبہ تنظیم اسلامی

۳۶ - کے ماڈل ٹاؤن - لاہور

فون : ۳۵۲۶۱۱

چندہ سالانہ ۱۵/- — قیمت فی نسخہ ۱/۵۰

ماہنامہ

میثاق

لاہور

جلد ۲،۵	ماہ مارچ ۱۹۷۷ء	شمارہ ۳

مشمولات

● عرض احوال	جمیل الرحمن	صفحہ	۱
● مساوات مرد و زن	مولانا امین احسن اصلاحی	,,	۵
● شہید مظلوم حضرت عثمان رض	ڈاکٹر اسرار احمد	,,	۲۷
● دنیا کا ستم رسیدہ یتیم	پروفیسر محمد حسین آزاد	,,	۴۴
● تنظیم اسلامی کے تاسیسی اجلاس کی روداد	جمیل الرحمن	,,	۵۱
● رفتار کار	ج-ر عبداللطیف قاضی عبدالقادر		۶۹
● برید حرم	محمد عبدالملک (مدینہ منورہ)		
	ٹائٹل کور صفحہ		۳

ضروری گزارشات

- ہر شمارہ احتیاط کے ساتھ چیکنگ کے بعد پوسٹ کیا جاتا ہے - خریدار حضرات کو اگر مہینے کی دس تاریخ تک پرچہ نہ ملے تو اطلاع دیں ' دوبارہ پرچہ ارسال کر دیا جائے گا - اس کے بعد تعمیل ممکن نہ ہو گی -
- ایجنسی ۵ پرچوں سے کم جاری نہیں ہوتی -
- میثاق کا پتہ تبدیل ہو گیا ہے - قارئین میثاق سے پتہ کی تبدیلی نوٹ کرنے کی درخواست ہے -

ماہنامہ میثاق - ۳۶ کے ماڈل ٹاؤن - لاہور

ڈاکٹر اسرار احمد (ناشر) نے بااہتمام چوہدری رشید احمد (طابع) مکتبہ جدید پریس شارع فاطمہ جناح سے چھپوا کر مرکزی مکتبہ تنظیم اسلامی ، ۳۶ - کے ماڈل ٹاؤن - لاہور سے شائع کیا -

جمیل الرحمٰن

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

عرضِ احوال

بفضلہٖ تعالیٰ و عونہٖ 'میثاق' کی بے قاعدہ اشاعت پہ قابو پا لیا گیا ہے۔ اب ایسا انتظام ہو گیا ہے کہ پرچہ اِن شاء اللہ ہر ماہ پہلی سے پانچ تاریخ تک مُنصّۂ شُہود پہ آجایا کرے گا۔ ماہ مارچ کا شمارہ ہدیۂ ناظرین ہے۔

زیرِ نظر شمارے میں مولانا امین احسن اصلاحی مُدّ ظِلُّہُ العَالِیْ کی معرکۃ الآرا تصنیف "پاکستانی عورت دوراہے پر" کا ایک اہم باب "مساواتِ مرد و زن" شائع کیا جا رہا ہے۔ ہماری یہ انتہائی بدنصیبی ہے کہ ہم کو عرصۂ دراز سے من حیث القوم اُس راستہ پہ چلانے کی کوشش ہو رہی ہے جو ہلاکت و تباہی کا راستہ ہے۔ فاطرِ کائنات نے مرد و زن کے دائرۂ کار علیحدہ علیحدہ مقرر کیے ہیں اور اِس تقسیم میں فَضَّلَ اللّٰہُ بَعْضَھُمْ عَلٰی بَعْضٍ کا اُصُول کارفرما رکھا ہے۔ اِس اُصُول سے انحراف ہمیشہ بربادی کا باعث ہوا ہے۔ یورپ، امریکہ اور جن ممالک نے مرد و زن کی مساوات کے خلافِ فطرت نظریّہ کو اپنا کر مرد و زن کے آزادانہ اختلاط کا رویّہ اختیار کیا ہے، وہاں خاندانی و عائلی نظام درہم برہم ہو گیا ہے۔ فحاشی، عُریانی، بے راہروی، مُنشیات پسندی کا سیلاب آگیا ہے، اخلاقی قدریں پائمال ہو گئی ہیں اور دین و مذہب سے بُعد ہی نہیں بیزاری اور نفرت بھی پیدا ہو چکی ہے ـــــ بدقسمتی سے ہماری ملّت میں نصف صدی قبل سے قوم کی سیادت و قیادت ایسے طبقے کے ہاتھ میں آگئی ہے جس کی اکثریّت کے اذہان پہ مغربی مادّہ پرستانہ نظریات کا غلبہ ہے اور جس کی آنکھیں یورپ و امریکہ اور دُوسرے نام نہاد ترقی یافتہ ممالک کی مادّی ترقّی نے خیرہ کر رکھی ہیں۔ اور یہ طبقہ اِس غلط فہمی و مُغالطہ میں گرفتار ہو گیا ہے کہ اِن ممالک کی مادّی ترقّی کا سبب بس یہی نظریۂ مُساواتِ مرد و زن اور اُن کا آزادانہ اختلاط ہے۔ اِسی لیے وہ خود بھی اسی راہ پر چلتا ہے اور جس طرح دُم کٹی بلّی کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ ہر بلّی کی دُم کٹ جائے، اسی طرح یہ طبقہ بھی چاہتا ہے کہ پُوری قوم کو بھی اِسی رنگ میں رنگ دے۔ یہ سلسلہ قیامِ پاکستان کے بعد بڑے زور و شور سے چل نکلا تھا لیکن چند دردمند اصحابِ علم و قلم اور چند مخلص

جماعتوں اور جمعیتوں کی کوشش سے اِس کا کچھ زور ٹوٹ گیا تھا۔ لیکن جب سے اِس ملک میں ٹی-وی کا رواج ہوا ہے، یہ کوششیں نئی آن بان سے شروع ہو گئی ہیں کہ کسی نہ کسی طرح اس قوم کے اعصاب پر عورت کو سوار کرا دیا جائے، بقول علّامہ اقبال مرحوم ؎

آہ ! بیچاروں کے اعصاب پہ عورت ہے سوار !

فی الوقت یہ شے بہت بڑھ گئی ہے۔ اب ہماری کوئی بھی سرگرمی چاہے وہ ادب و صحافت سے متعلق ہو، چاہے ثقافت و سیاست سے "عورت" کی سرپرستی کی محتاج ہو گئی ہے۔ جدھر دیکھیے فضا میں اس نعرہ کی گونج سنائی دے گی کہ "ہماری سیاست اسلام" لیکن اکثر و بیشتر ہمارے جلسوں اور جلوسوں کی رونق خواتین کے دم سے ہی قائم نظر آئے گی۔ دوسری طرف حال یہ ہے کہ بلیڈ، بوٹ پالش، رنگ روغن حتیٰ کہ سگریٹ اور ماچس کا اشتہار بھی بغیر عورت کے نظر نہیں آئے گا۔ دریں حالات مولانا امین احسن اصلاحی کا یہ مضمون نیشن کے ماتوں کو ہوشیار اور خبردار کرنے میں ایک اہم کردار ادا کر سکتا ہے۔ مولانا کی اِس کتاب نے ۵۳-۵۴ء ۱۹ میں بھی اس خطرناک سیلاب کو روکنے میں کسی نہ کسی درجے میں بند باندھنے کا کام انجام دیا تھا۔ خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے اُمید ہے کہ اب بھی یہ کتاب (جس کا دوسرا ایڈیشن جلد شائع ہونے والا ہے) یہی کردار انجام دے گی۔

اِس شمارے کا دوسرا اہم مضمون ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے خطاب "شہیدِ مظلوم" حضرت عثمان ذُو النّورینؓ کی دوسری قسط پر مشتمل ہے۔ ہماری کوشش تھی کہ اِس خطاب کو اِسی شمارے میں مکمل کر دیا جائے لیکن دامن کی تنگی آڑے آئی۔ اب اِس کی تیسری و آخری قسط اِن شاء اللہ العزیز آئندہ شمارے میں پیشِ خدمت ہو گی۔

تیسرا اہم مضمون جناب محمد حسین صاحب آزاد کا رہینِ قلم ہے، جس کا عنوان ہے "دُنیا کا ستم رسیدہ یتیم" — حقیقت یہ ہے کہ "یتیم" ہر معاشرے میں انتہائی ستم رسیدہ ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں یتامیٰ کے ساتھ بدسلوکی کی انتہائی مذمت کی گئی ہے اور اُن کی سرپرستی اور اُن کے ساتھ حُسنِ سلوک و معاملہ کی مختلف اسالیب سے تشویق و ترغیب دلائی گئی ہے جیسے سورہ والضحیٰ میں فرمایا :- فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ — سُورۃ الماعون میں فرمایا :- اَرَءَيْتَ الَّذِیْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ ؕ فَذٰلِكَ الَّذِیْ يَدُعُّ الْيَتِيْمَ ۙ — سُورہ بلد میں فرمایا :- فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ۞ وَمَاۤ اَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ ۞ فَكُّ رَقَبَةٍ ۞ اَوْ اِطْعٰمٌ فِیْ يَوْمٍ ذِیْ

مَسْغَبَةٍ ٥ يَّتِيْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ٥ ۔ سورۂ والفجر میں فرمایا :۔ كَلَّا بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَ ٥ ۔ سورۂ بقرہ میں فرمایا :۔ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّ ذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى ...... اسی سورہ میں آیت برّ میں فرمایا :۔ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ ط

لیکن یہ بھی ایک تلخ حقیقت ہے کہ ہمارے معاشرے میں اوّل تو یتیم ستم رسیدہ ہے ہی۔ دوسرے یہ کہ اکثر و بیشتر مفاد پرست افراد نے "یتیم کی سرپرستی" کو ایک کاروبار اور شہرت و ناموری کا ذریعہ بنا رکھا ہے۔ اور اس کام کو بھی جو نیکی کے چوٹی کے کاموں میں شمار کیا جاتا ہے اغراضِ دُنیوی کے حصُول کا وسیلہ بنا لیا ہے (اِلّا ماشاء اللہ) اِس پس منظر میں توقع ہے کہ محترم محمّد حسین صاحب آزاد کا یہ مضمون پسند کیا جائے گا۔

اِس شمارے میں 'تنظیمِ اسلامی' کے تاسیسی اجلاس منعقدہ ۲۷، ۲۸ مارچ ۱۹۷۵ء کی رُوداد کی دوسری قسط شائع کی جارہی ہے۔ اِس وقت قومی و سیاسی سطح پر ملک میں بہت سی فعّال جماعتیں اور جمعیتیں موجود ہیں۔ ملک بھر میں معیاری دارالعلوم بھی بحمداللہ موجود ہیں جو دین کی نشر و اشاعت اور تعلیم و تدریس کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔ اصلاح و فلاح کی بھی ایک ہمہ گیر تحریک موجود ہے، جس کا دائرۂ اثر و نفوذ بفضلہ تعالیٰ و عونہٖ وسیع تر ہو رہا ہے۔ لیکن اسلام کی انقلابی دعوت، دعوتِ اظہارِ دین علی الدّین کُلّہٖ، دعوت امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نیز دعوتِ جہاد فی سبیل اللہ، دعوت اعلائے کلمۃ اللہ، احقاقِ حق اور ابطالِ باطل کی سعی و جہد کی دعوت کا محاذ خالی پڑا ہے۔ چند اللہ کے عاجز بندوں کا، اللہ کی تائید و نصرت کے بھروسے پر اِس محاذ کے خلا کو پُورا کرنے کے عزم کے ساتھ 'تنظیمِ اسلامی' کے نام سے ایک حقیر سا قافلہ ترتیب پا رہا ہے۔ اِس نئی تحریک کی اساسی دعوت تجدیدِ ایمان ۔ توبہ ۔ تجدیدِ عہد ہے۔ ہم قارئینِ میثاق سے اِس تاسیسی اجلاس کی رُوداد کے بالاستیعاب مطالعہ کی درخواست کرتے ہیں۔ نیز اس امر کی بھی استدعا کرتے ہیں کہ وہ 'تنظیمِ اسلامی' کے دستور کا بھی ضرور مطالعہ فرمائیں جو 'میثاق' کے اگست ۷۴ء کے شمارے میں شائع ہوچکا ہے اور علیحدہ کتابی صورت میں بھی موجود ہے۔

اِس شمارے کا آخری مضمون دعوت رجوع الی القرآن اور دعوت اِلی اللہ کی رفتارِ کار سے متعلق ہے اور تقریباً ڈھائی ماہ کی رپورٹ پر مشتمل ہے۔ اس مستقل عنوان کے ذریعے وہ حقیر کوششیں ہمارے قارئین کے سامنے آتی رہتی ہیں جو اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ہمیں حاصل ہوتی ہیں۔

سالانہ قرآن کانفرنسوں کا انعقاد مرکزی انجمن خدام القرآن کے پروگراموں کا ایک اہم حصہ بن گیا ہے۔ اُن کے انعقاد کی اصل غایت یہ ہے کہ ملتِ اسلامیہ پاکستان اصل چشمۂ علم و حکمت، منبع یقین و ایمان اور صراطِ رشد و ہدایت یعنی قرآن مجید، فرقانِ حمید کی طرف متوجہ ہو چونکہ اُمّت کی دنیوی اصلاح و فلاح اور اُخروی فوز و نجات قرآن حکیم کے صحیح اعتصام و تمسک اور اُس پر عمل کے بغیر ممکن نہیں۔ بقول صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ لَا یَصْلُحُ اٰخِرُ ھٰذِہِ الْاُمَّۃِ اِلَّا بِمَا صَلَحَ بِہٖ اَوَّلُھَا۔ یا بقول علامہ اقبال مرحوم ؎

گر تو مے خواہی مسلماں زیستن ۔۔۔ نیست ممکن جز بقرآں زیستن

پہلی سالانہ قرآن کانفرنس دسمبر ۱۹۷۳ء میں، ٹاؤن ہال لاہور میں منعقد ہوئی تھی جس کی افتتاحی نشست کی صدارت جناب مولانا محمد یوسف صاحب بنوری مدظلہ العالی نے فرمائی تھی۔ کانفرنس کی روزانہ دو نشستیں ہوتی تھیں اور اس طرح یہ کانفرنس تین دن جاری رہی تھی۔ اس کانفرنس میں مختلف مکاتبِ فکر کے جید و مشہور و معروف علماء، جدید تعلیم یافتہ دانشوروں اور مفکرین نے مقالے پیش کئے تھے اور تقاریر کی تھیں۔ اِس کانفرنس نے لاہور کے ثقافتی حلقوں سے بالخصوص اور ملک کے دوسرے حصّوں سے بالعموم خراجِ تحسین حاصل کیا اور اِس کو قبولِ عام حاصل ہوا۔ اِس کانفرنس کی کامیابی پر کارکنان نے جہاں اپنے ربّ کے حضور سجدۂ تشکر و امتنان پیش کیا وہاں اُن کے حوصلے بھی بلند ہو گئے۔ چنانچہ دوسری سالانہ قرآن کانفرنس مارچ ۱۹۷۵ء اور تیسری سالانہ قرآن کانفرنس مارچ ۱۹۷۶ء میں منعقد ہوئی اور الحمدللہ! ثم الحمدللہ! کہ ہر کانفرنس سابقہ کانفرنس سے کامیاب تر ثابت ہوئی۔

اِن کانفرنسوں کی افادیت کا اندازہ اِن موضوعات سے لگایا جا سکتا ہے جو اِن سہ روزہ کانفرنسوں کی نشستوں کے لیے متعیّن کئے جاتے رہے ہیں اور جن پر ملک کے نامور علماء، مشائخ، دانشور اور اہلِ فکر کو اظہارِ خیال کی دعوت دی جاتی رہی ہے۔

(۱) عظمت و اعجازِ قرآن (۲) قرآن اور سُنّتِ رسولؐ (۳) قرآنِ حکیم اور فکرِ جدید (۴) قرآن مجید اور بعثتِ رسولؐ (۵) قرآن حکیم اور احیائے اسلام (۶) علوم القرآن اور اُصولِ تفسیر (۷) قرآن، صاحبِ قرآن اور اُن کے صحابہؓ (۸) پاکستان مصوّرِ پاکستان (ڈاکٹر علامہ اقبال مرحوم) اور قرآنِ حکیم۔

اب اِن شاء اللہ، چوتھی سالانہ قرآن کانفرنس ۲۵ سے ۲۷ مارچ تک ٹاؤن ہال

بقیہ صفحہ پر دیکھیں

نظریۂ مساواتِ مرد و زن

شریعت کی کسوٹی پر

مولانا امین احسن اصلاحی

اسلامی نظریۂ مساوات اور مغربی نظریۂ مساوات کا فرق

اسلام کے معاشرتی و اجتماعی نظام کا جس شخص نے تھوڑا بہت بھی مطالعہ کیا ہوگا وہ اس حقیقت سے انکار نہیں کرسکتا کہ اسلام مرد و زن میں مساوات تو بلاشبہ تسلیم کرتا ہے لیکن وہ مساوات اس مساوات سے بالکل مختلف ہے جس کے قائل مِل[1] اور لینن (LENIN) کے معتقدین ہیں۔

یہ لوگ جس مساوات کے قائل ہیں وہ تو یہ ہے کہ قدرت نے جن قوتوں اور قابلیتوں سے مرد کو مسلّح کیا ہے اور مرد جو کچھ کرسکتا ہے، عورت بھی وہ سب کچھ کرسکتی ہے۔ اس لیے معاشرہ میں عورت و مرد کی جِدّ و جُہد کا دائرہ بھی ایک ہی ہونا چاہیئے اور لازماً ان کے حقوق و فرائض بھی بالکل ایک سے ہونے چاہئیں۔

اس کے برعکس اسلام جس مفہوم میں عورت و مرد کی مساوات کا قائل ہے وہ یہ ہے کہ جس نفسِ واحدہ سے اللہ تعالیٰ نے مرد کو پیدا کیا ہے اُسی نفسِ واحدہ سے عورت کو پیدا کیا ہے، جس طرح مرد اس نظامِ کائنات کا ایک ضروری عنصر ہے اور قدرت نے ایک خاص مقصد سے اِس کو تخلیق کیا ہے اسی طرح عورت بھی اس کائنات کی مشین کا ایک ضروری پُرزہ ہے اور قدرت نے اس کی تخلیق سے ایک ضروری غرض وابستہ کی ہے، جس طرح مرد قدر و احترام کا مستحق ہے، اسی طرح عورت بھی قدر و احترام کی حقدار ہے، جس طرح

[1] جان سٹیورٹ مِل (۱۸۰۶-۱۸۷۳) JOHN STUART MILL

مرد کچھ خاص قابلیتیں اور قوتیں لے کر آیا ہے اسی طرح عورت بھی کچھ مخصوص قوتیں اور قابلیتیں لے کر پیدا ہوئی ہے۔ جس طرح مرد اپنے کچھ خاص جذبات و عواطف اور کچھ فطری مقتضیات و مطالبات رکھتا ہے اسی طرح عورت بھی اپنے کچھ خاص رجحانات و میلانات اور کچھ فطری مطالبات و مقتضیات رکھتی ہے۔ اس لیے عورت اور مرد دونوں کو اپنے اپنے فطری رجحانات و میلانات کے مطابق سورج اور چاند کی طرح اپنے اپنے دائروں میں قدرت کے منشا کی تکمیل میں سرگرم رہنا چاہیئے، نہ سورج کو یہ حق ہونا چاہیئے کہ وہ چاند کی سرگرمیوں میں خلل انداز ہو اور نہ چاند کو یہ آزادی ملنی چاہیئے کہ وہ سورج کے کاموں میں کوئی مزاحمت پیدا کر سکے۔ معاشرے کے اندر دونوں پر ان کی فطری صلاحیتوں کے لحاظ سے ذمہ داریاں ہونی چاہئیں اور ان کی ذمہ داریوں کے اعتبار سے ان کو حقوق ملنے چاہئیں۔ ہر ایک کی تخلیق سے فطرت کا جو منشا ہے اس کو وہ فطرت کے ضابطوں کے تحت اپنے اپنے حدود کے اندر یکساں آزاد اور یکساں پابند رہ کر پورا کرے۔

مساوات کے یہ دونوں نظریے اپنی اساس و بنیاد اور اپنے نتائج و اثرات میں اتنے مختلف ہیں کہ جس طرح مشرق و مغرب کو یکجا نہیں کیا جا سکتا اسی طرح ان دونوں نظریات کو جمع کرنا ممکن نہیں ہے۔ اگر آپ مغربی نظریۂ مساوات کے معتقد ہیں تو اسلام کا نام لینا چھوڑ دیجئے اور اگر اسلام کے نظریۂ مساوات پر ایمان رکھتے ہیں تو پھر سلامتی اسی میں ہے کہ اس کے مخالف رجحان سے استعفیٰ دیجئے۔ ان دونوں نظریات کی اساس پر حیاتِ اجتماعی کی جو عمارتیں تعمیر ہوتی ہیں وہ اپنی بنیاد، اپنے ڈھانچہ، اپنے طرزِ تعمیر اپنی ہیئتِ مجموعی اور اپنے سکونتی فوائد و مقاصد کے لحاظ سے اس درجہ مختلف النوع ہوتی ہیں کہ ممکن نہیں ہے کہ ایک کا پیوند دوسرے کے ساتھ لگایا جا سکے اور اگر اس قسم کی کوئی کوشش کی گئی تو اس سے ہماری حیاتِ اجتماعی کے کسی ایک ہی گوشہ میں بھینگا پن نہیں پیدا ہوگا۔ بلکہ یہ ایک غلطی ہمارے پورے نظامِ اجتماعی کو بھینگا اور بے ہنگم بنا کے رکھ دے گی۔ نقصانِ مایہ اور شماتتِ ہمسایہ کے سوا اس شتر گربگی کا کچھ اور حاصل نہیں نکلے گا۔

مغربی نظریۂ مساوات اپنی سادہ اور ابتدائی حالت میں بہت معصوم نظر آتا ہے اور جذبات کی رَو میں بہنے والے مردوں اور عورتوں کو اپیل بھی کرتا ہے۔ لیکن جب اس کو بنیاد قرار دے کر اس پر حیاتِ اجتماعی کی تعمیر شروع کی جاتی ہے تب اس کے عیوب کھلنے شروع ہوتے ہیں، یہاں تک کہ اجتماعیات میں معمولی درک رکھنے والا شخص بھی یہ محسوس کر لیتا ہے کہ جس نظامِ اجتماعی کی بنیاد اس نظریہ پر ہے اس کی بنیاد درحقیقت ریت پر ہے جس کا گر جانا ہر وقت متوقع ہے۔ اس کے بُرے اثرات جو معاشرے، اور حیاتِ اجتماعی پر مترتّب ہوتے ہیں ان کو تفصیل کے ساتھ تو ہم انشاء اللہ مستقل عنوان سے بیان کریں گے۔ یہاں صرف اتنی بات یاد رکھنی چاہیئے کہ اسلام عورت اور مرد کو مساوی قرار دینے کے باوجود ان کی صنفی و فطری صلاحیتوں کے لحاظ سے نظامِ اجتماعی میں اُن کو الگ الگ استعمال کرتا ہے اور ان میں سے ہر ایک کو اُسی مقام میں رکھتا ہے جس مقام میں وہ بہتر طریق پر معاشرے کو اپنی قابلیتوں سے فائدہ پہنچا سکیں۔ برعکس اس کے مغربی نظریۂ مساوات جب ایک مرتبہ اس اُصُول کو مان لیتا ہے کہ عورت و مرد دونوں مساوی پیدا ہوئے ہیں تو پھر وہ ان کے صنفی و فطری میلانات کی بنا پر بھی ان کے درمیان کوئی فرق تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں ہوتا۔ اور دونوں کو بالکل ایک ہی حیثیت سے استعمال کرنا چاہتا ہے۔ اس چیز کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اگر عورت اپنے صحیح محل کے سوا دوسرے محل میں استعمال کی جاتی ہے تو اس سوءِ استعمال کا مُضر اثر خود اس پر بھی مترتّب ہوتا ہے اور اس کے لازمی نتیجہ کے طور پر معاشرہ بھی اس سے متأثّر ہوتا ہے، اسی طرح اگر مرد کو اس کے صحیح محل کے سوا جہاں کے لیے اس کی قابلیتیں تقاضا کر رہی ہوتی ہیں، کسی دوسرے محل میں استعمال کیا جاتا ہے تو لازماً اس کا اثر بھی یہی ہوتا ہے کہ ایک طرف مرد کی صلاحیتیں اس سے نقصان اٹھاتی ہیں اور دوسری طرف معاشرہ اس کی قابلیتوں اور صلاحیتوں کے فوائد کے ایک بڑے حصّہ سے محروم ہو جاتا ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے اور اس حقیقت میں عورت اور مرد دونوں میں سے کسی کے لیے بھی کوئی ہیٹا پن اور حقارت کا پہلو نہیں ہے کہ ان میں سے ہر ایک بعض کاموں

کے لیے موزوں ہے اور بعض کاموں کے لیے ناموزوں۔ ہم بدیہی طور پر جانتے ہیں کہ مرد بار آور کر سکتا ہے لیکن حاملہ نہیں ہو سکتا، اسی طرح عورت حاملہ تو ہو سکتی ہے لیکن بار آور نہیں کر سکتی۔ لیکن نہ تو حاملہ نہ ہو سکنا مرد کے لیے کوئی شرم کی بات خیال کرتے ہیں اور نہ بار آور نہ کر سکنا عورت کے لیے کوئی حقارت کی بات سمجھتے ہیں بلکہ نوعِ انسانی کی سلامتی اور اس کا بقا اسی میں دیکھتے ہیں کہ دونوں بغیر کسی منازعت و منافست کے اپنی اپنی قابلیت پر قانع رہیں اور جو کر سکتے ہیں اس کو چھوڑ کر جو نہیں کر سکتے اس کے کرنے کے خبط میں نہ مبتلا ہوں ورنہ یہ منازعت دنیا کو تباہ کر کے رکھ دے گی۔ پھر تعجب ہے کہ اسی طرح لوگوں کی سمجھ میں یہ بات کیوں نہیں آتی کہ مرد میدانِ جنگ کے معرکے تو سر کر سکتا ہے لیکن گھر گرہستی کی الجھنوں کو سلجھانا اُس کے بس کا روگ نہیں ہے۔ علیٰ ہذا القیاس عورت گھر سنبھالنے کے لیے تو خداداد قابلیت اور خداداد عزم و ہمت لے کر آئی ہے لیکن میدانِ جنگ کے معرکوں کو سر کرنا اس کا کام نہیں ہے۔ اور اگر دونوں اپنے اپنے دائروں کے اندر اپنے مناسبِ حال فرائض انجام دینے کے بجائے آپس میں فرائض کے مبادلہ کی کوشش کریں گے یا اس قدرتی و فطرتی تقسیم کی حد بندیوں کو توڑ کر مرد عورت کے حدود میں در آنے اور عورت مرد کے حدود میں گھس جانے کے لیے زور لگائے گی تو اُس کا نتیجہ اس کے سوا اور کچھ نہیں نکل سکتا کہ دونوں کی قابلیتیں بھی برباد ہوں گی اور دونوں کے متعلقہ فرائض بھی نا ادا شدہ رہ جائیں گے اور پھر اس کا لازمی نتیجہ پوری حیاتِ اجتماعی کے اختلال و انتشار کی صورت میں برآمد ہوگا۔

عورت و مرد کی تخلیق کے ساتھ قدرت نے جو فرائض وابستہ کیے ہیں ان میں سے ہر فرض بجائے خود اتنا ہی اہم اور اتنا ہی ضروری ہے جتنا کہ دوسرا فرض۔ یہ نہیں کہہ سکتے کہ گھر کا سنبھالنا کم اہم ہے اور دفتر کا سنبھالنا زیادہ اہم ہے یا بچوں کی پرورش کرنا ایک حقیر کام ہے اور سپہ گری یا تجارت ایک شریفانہ کام ہے۔ نظامِ معاشرت و اجتماع کے حفظ و بقا کے جتنے کام بھی ہیں سب یکساں اہم اور یکساں ضروری ہیں اور معاشرہ کا جو پرزہ ان کاموں میں سے جس کام کی انجام دہی کے لیے بھی بنا ہے اگر وہ اس کو ٹھیک ٹھیک

انجام دے رہا ہے تو مجموعی مشین کے اندر اس کی قدر و قیمت کسی بڑے سے بڑے پرزے کے برابر ہے اور اس کو حقیر سمجھنے اور نظر انداز کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

نظامِ کائنات کو فاطرِ کائنات نے اس اُصول پر بنایا ہے کہ اس کے تمام اجزاء و عناصر ایک دوسرے کے لیے محتاج اور محتاج الیہ بن گئے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کسی پہلو سے ناقص اور کسی پہلو سے مستغنی ہے، ہر ایک کسی اعتبار سے مطلوب اور کسی اعتبار سے طالب بھی ہے اور اپنی باہمی سازگاری اور تعاون سے یہ اپنے اپنے خلا کو بھرتے اور اپنے اپنے نقص کی تلافی کرتے ہیں۔ زمین اور آسمان، شب اور روز، گرمی اور سردی، بر اور بحر ان سب میں اسی نوعیّت کا رابطہ ہے۔ ان میں سے بجائے خود نہ کوئی دوسرے سے مستغنی ہے اور نہ ان میں سے کسی کو یہ دعویٰ کرنے کا حق ہے کہ اس نظامِ کائنات میں جو مقام اس کا ہے کسی دوسرے کا نہیں ہے یا جو مقصد اس کے ذریعہ سے پورا ہو رہا ہے وہ کسی درجہ میں اور کسی نوعیّت سے اس مقصد سے ارفع ہے جو دوسرے کے ذریعہ سے پورا ہو رہا ہے ـــــ غور کیجئے کہ اس اعتبار سے ان تمام اجزائے مختلفہ میں جو حیرت انگیز مساوات ہے کیا کوئی شخص اس مساوات کا انکار کرنے کی جرأت کر سکتا ہے؟ لیکن اس مساوات کے باوجود کبھی آپ نے دیکھا کہ محض اس زعم کی بنیاد پر کہ ہم آپس میں بالکل مساوی ہیں، زمین آسمان سے جا ٹکرائی ہو، چاند نے سورج کے مدار میں گردش شروع کر دی ہو، رات نے دن کے حدود میں مداخلت کر دی ہو، سردی نے گرمی کا رُوپ دھارن کر لیا ہو اور سمندر نے خشکی پر یلغار کر دی ہو ـــــ اگر خدانخواستہ یہ ہو جائے، اور دن دو دن کے لیے نہیں صرف منٹ اور سیکنڈ ہی کے لیے ہو جائے، تو یہ سارا نظامِ کائنات درہم برہم ہو کے رہ جائے۔

ٹھیک اسی اُصول پر عورت اور مرد دونوں مساوی بھی ہیں لیکن دونوں کے عدمِ عمل الگ الگ بھی ہیں اور ہمارے معاشرہ کا حفظ و بقاء منحصر ہے اس بات پر کہ ہم دونوں کو یکساں عزّت و احترام کا مستحق بھی سمجھیں اور دونوں کو الگ الگ بھی رکھیں۔ اگر ہم نے ان میں سے کسی کو بھی حقیر جانا تو سرے سے اس نظام ہی کو درہم برہم کر کے رکھ دیں گے

جس کے بقاء کو قدرت بھی چاہتی ہے اور جس کا بقا خود ہمارے بقاء کے لیے بھی ناگزیر ہے۔

وہ مساوات جس کو اسلام تسلیم کرتا ہے

اس تمہید کے بعد اب آئیے دیکھئے کہ اسلام عورت و مرد کی مساوات ثابت کرنے کے ساتھ ساتھ کس طرح ان دونوں کیلئے الگ الگ حدودِ عمل مقرر کرتا ہے اور ان کو کشمکش اور تصادم سے بچانے کے لیے کس طرح ان کے حقوق و فرائض میں امتیاز کرتا ہے۔

معاشرے میں عورت و مرد کی مساوات کا اعلان قرآن مجید ان واضح الفاظ میں پیش کرتا ہے:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ وَالْأَرْحَامَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا۔ (۱۔ نساء)

اے لوگو! اپنے اس خداوند سے ڈرو جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور پیدا کی اسی سے اس کی بیوی اور پھیلائے ان دونوں سے بہت سارے مرد اور بہت ساری عورتیں۔ اور اس اللہ سے ڈرتے رہو جس کے واسطہ سے ایک دوسرے سے طالب مدد ہوتے ہو۔ اور ان رحموں کا پاس کرو جو تمھارے اندر باہمی ہمدردی کی بنیاد ہیں۔ اللہ تمھارا نگران ہے۔

اس آیت نے عورت کی کہتری اور حقارت سے متعلق ان تمام تصورات کا خاتمہ کر دیا جو قدیم مذاہب اور تہذیبوں میں پائے جاتے تھے۔ اسلام کا اعلان یہ ہے کہ عورت کوئی حقیر و نجس وجود نہیں ہے۔ وہ کوئی لایعقل اور بے مقصد ہستی نہیں ہے، وہ شیطان کی ایجنٹ یا گناہوں کی ٹھیکہ دار بنا کے نہیں اتاری گئی ہے[۱] بلکہ جس نفسِ واحدہ سے مرد وجود میں آیا ہے اسی سے عورت بھی وجود میں آئی ہے اور جس طرح انسانی معاشرہ کا ایک اہم رکن مرد ہے اسی طرح اس معاشرے کی دوسری اہم رکن عورت ہے۔ اس معاشرے کا وجود، اس کا بقاء اور اس کا تسلسل ان دونوں میں سے کسی ایک ہی پر منحصر نہیں ہے کہ ساری اہمیت بس

---

[۱] جیسا کہ بعض مذاہب نے بیان کیا ہے۔

اسی کو دے دی جائے اور نہ یہی بات ہے کہ ان میں سے کسی ایک پر زیادہ اور دوسرے پر کم منحصر ہے کہ جس پر زیادہ منحصر ہے اس کو زیادہ اہمیت دی جائے اور جس پر کم منحصر ہے اس کا رتبہ گھٹا دیا جائے، بلکہ اس پہلو سے دونوں مساوی حیثیت رکھتے ہیں۔ البتہ خصوصیات اور صلاحیتیں دونوں الگ الگ لے کر آئے ہیں لیکن اس فرق کی وجہ سے ان میں سے کسی کے لیے بھی نہ اپنی ان خصوصیات پر مغرور ہونا یا ان کے سبب سے اپنے کو حقیر سمجھنا زیبا ہے اور نہ ایک دوسرے کی خصوصیات پر رشک کرنا اور اس رشک کی وجہ سے ایک دوسرے کی ریس کرنے اور نقل اڑانے لگ جانا جائز ہے بلکہ دونوں کو اپنی خصوصیات کی قدر کرنی چاہیئے اور جس نے ان کو بخشا ہے اس کی سچی شکر گذاری اور اطاعت کے ساتھ معاشرہ کی خدمت میں بلحاظ اپنی اپنی استعداد اور اپنی اپنی قوت کے اپنا حصہ ادا کرنا چاہیئے اور دونوں کو اپنی اپنی جگہ پر یہ ایمان رکھنا چاہیئے کہ خدا جو ان خدمات کا اجر دینے والا ہے، جس ترازو اور باٹ سے مرد کے لیے تولے گا اسی ترازو اور باٹ سے عورت کے لیے بھی تولے گا ـــــ عورت سُگھڑپن کے ساتھ ایک گھر چلا کر وہی درجہ اور فضیلت حاصل کر سکے گی جو مرد ایمانداری اور سلیقہ کے ساتھ ایک دفتر چلا کر حاصل کر سکے گا۔ قرآن مجید نے اس حقیقت کو ان الفاظ میں واضح فرمایا ہے:-

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۭ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ۭ وَلِلنِّسَاۗءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ۭ وَسْـَٔـلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ۝
(۳۲ - نسآء)

اور اللہ نے عورت و مرد میں سے ایک کو دوسرے پر جو فضیلت دی ہے اس کے لیے ارمان نہ کرو۔ مرد حصہ پائیں گے اس میں سے جو وہ کمائی کریں گے اور عورتیں حصہ پائیں گی اس میں سے جو وہ کمائی کریں گی۔ اللہ سے اس کی بخشش میں سے حصہ مانگو۔ اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے!

اس آیت سے ایک طرف تو یہ بات صاف ہو گئی کہ قدرت کی طرف سے جو خصوصیات عورت و مرد کو عطا ہوئی ہیں ان میں فضیلت کا پہلو کسی ایک ہی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ اس فضیلت میں دونوں برابر کے حصہ دار ہیں اور دوسری طرف یہ حقیقت واضح

ہو گئی کہ عورت و مرد دونوں کی سعادت و کامیابی اس بات میں ہے کہ ایک دوسرے کی خصوصیات پر رشک کرنے اور اُن کی ریس کرنے کے بجائے ہر ایک اپنے اپنے حصّہ کی نعمتوں کے لیے شکر گذار رہے اور ان کا حق ادا کرنے کی کوشش کرے۔

قدرت نے اپنی فیض بخشیوں میں مرد یا عورت کسی کے ساتھ بھی بخالت نہیں کی ہے۔ مرد کے اندر اگر تخلیق و ایجاد کا جوہر عطا کیا ہے تو عورت کو اس تخلیق و ایجاد کے ثمرات و نتائج سنبھالنے کا سلیقہ و ہنر عطا فرمایا ہے۔ مرد کو اگر حکمرانی و جہانبانی کا حوصلہ عطا کیا ہے تو عورت کو گھر بنانے اور گھر بسانے کی قابلیت بخشی ہے۔ مرد کو اگر کچھ خاص علوم و فنون سے طبعی لگاؤ ہے تو عورت کے لیے بھی کچھ خاص علوم و فنون ہیں جن سے اس کو فطری مناسبت ہے۔ مرد اگر اپنے اندر سختی، قوّت اور عزیمت کے اوصاف رکھتا ہے تو عورت بھی اپنے اندر دلکشی، شیرینی اور دلربائی کا جمال رکھتی ہے اور قدرت کے اس نگار خانہ کی زیب و زینت ان میں سے کسی ایک ہی رنگ کے اوصاف سے نہیں ہے بلکہ دونوں قسم کے اوصاف سے ہے۔ اس لیے نہ مرد کے لیے یہ زیبا ہے کہ وہ عورت کی دلربائی چُرا کر اور اُس کی اداؤں کی نقل اُڑا کر مرد مؤنّث (SHE WOMAN) بننے کی کوشش کرے اور نہ عورت کے لیے یہ زیبا ہے کہ وہ مرد کا رُوپ دھارن کر کے اور اُس کے حدود میں مداخلت کر کے زن مذکّر (HE WMAN) بننے کے لیے زور لگائے۔ جو عورتیں یا جو مرد اس قسم کی چھچھوری حرکتیں کرتے ہیں وہ درحقیقت قدرت کی تقسیم کا مذاق اڑاتے ہیں اس لیے ایسے مردوں اور ایسی عورتوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے اس سلسلہ میں چند حدیثیں ملاحظہ ہوں :-

لعن المتشبہات من النّساء بالرجال (ابوداؤد)	رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ان عورتوں پر لعنت کی ہے جو مردوں کی مشابہت اختیار کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔
عن ابی ھریرۃ قال لعن رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم	ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم نے اس مرد پر لعنت

الرجل یلبس لبسة المرأة والمرأة تلبس لبسة الرجل (ابوداؤد)

فقالت لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الرجلة من النسآء (ابوداؤد)

کی ہے جو عورت کا سا لباس پہنے اور اس عورت پر لعنت کی ہے جو مرد کا سا لباس پہنے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زنانِ مذکر پر لعنت فرمائی ہے۔

ایک اور روایت میں لعن المترجلات کے الفاظ ہیں اور یہ ساری احادیث مذکورہ بالا آیت کے مفہوم پر روشنی ڈال رہی ہیں کہ مردوں اور عورتوں میں سے کسی کے لیے بھی یہ بات جائز نہیں ہے کہ اپنے فطری حدود لانگ کر دوسرے کے حدود میں گھسنے اور ایک دوسرے کی نقل اڑانے کی کوشش کریں بلکہ ہر ایک کو اپنے اپنے دائرہ کے اندر اپنی خصوصیات پر قائم رہتے ہوئے اپنا فرض ادا کرنا چاہیئے اور اللہ سے یکساں اجر کی امید رکھنی چاہیئے۔

اس حقیقت کی ایک بہت بڑی شہادت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے ایک واقعہ سے بھی ملتی ہے۔ اسماء بنتِ یزید انصاریہ ایک مشہور دیندار اور عقل مند صحابیہ اور مشہور صحابی حضرت معاذ بن جبل کی پھوپھی زاد بہن ہیں۔ ان کے متعلق روایت ہے کہ ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کی کہ مجھے عورتوں کی ایک جماعت نے اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا ہے جو سب کی سب وہی کہتی ہیں جو میں عرض کرنے آئی ہوں اور وہی رائے رکھتی ہیں جو میں گذارش کر رہی ہوں۔ عرض یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مردوں اور عورتوں دونوں کے لیے رسول بنا کر بھیجا ہے۔ چنانچہ ہم آپ پر ایمان لائیں اور ہم نے آپ کی [illegible] کی۔ لیکن ہم عورتوں کا حال یہ ہے کہ ہم پردوں کے اندر رہنے والی اور گھروں [illegible] والی ہیں، ہمارا کام یہ ہے کہ مرد ہم سے اپنی خواہشِ نفس پوری کرلیں اور ہم ان کے بچے لادے لادے پھریں۔ مرد جمعہ و جماعت، جنازہ و جہاد ہر چیز کی حاضری میں ہم سے سبقت لے گئے، وہ جب جہاد میں جاتے ہیں تو ہم ان کے گھر بار کی حفاظت کرتی اور ان کے بچوں کو سنبھالتی ہیں؛

تو کیا اجر میں بھی اُن کے ساتھ ہم کو حصّہ ملے گا؟ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم اُن کی یہ فصیح و بلیغ تقریر سننے کے بعد صحابہؓ کی طرف متوجّہ ہوئے اور فرمایا کیا تم نے ان سے زیادہ بھی کسی عورت کی عمدہ تقریر سُنی ہے جس نے اپنے دین کی بابت سوال کیا ہو؟ تمام صحابہؓ نے قسم کھا کے اقرار کیا کہ نہیں یا رسول اللہ - اس کے بعد آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم حضرت اسماءؓ کی طرف متوجّہ ہوئے اور فرمایا اے اسماءؓ! میری مدد کرو اور جن عورتوں نے تم کو اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا ہے ان کو میرا یہ جواب پہنچا دو کہ تمہارا اچھی طرح خانہ داری کرنا، اپنے شوہروں کو خوش رکھنا اور ان کے ساتھ سازگاری کرنا مردوں کے ان سارے کاموں کے برابر ہے جو تم نے بیان کئے ہیں۔ حضرت اسماءؓ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی یہ بات سن کر خوش خوش اللہ کا شکر ادا کرتی ہوئی واپس چلی گئیں[1]۔

حضرت اسماءؓ نے صرف اپنے زمانہ ہی کی خواتین کی نمائندگی نہیں فرمائی بلکہ بعض پہلوؤں سے ہمارے زمانہ کی خواتین کی بھی پوری پوری نمائندگی کر دی ہے - اس زمانہ میں آزادئ نسواں کی علمبردار عورتیں جو کچھ کہتی ہیں اس کی ایک بڑی اہم وجہ یہی تو ہے کہ وہ فرائض ان کو حقیر نظر آتے ہیں جو قدرت نے ان کے سر ڈالے ہیں اور وہ فرائض ان کو معزّز و محترم نظر آتے ہیں جو مردوں سے متعلق ہیں - اس وجہ سے وہ کہتی ہیں کہ یہ کیسا ناانصافی ہے کہ ہم عورتیں تو زندگی بھر بچے لادے لادے پھریں اور چولھے چکّی کی نذر ہو کے رہ جائیں اور مرد ملکوں اور قوموں کی قسمتوں کے فیصلے کرتے پھریں! اور پھر وہ مطالبہ کرتی ہیں کہ ان کو بھی مردوں کے دوش بدوش ہر میدان میں جدّ و جہد کرنے کا موقع ملنا چاہیئے۔ حالانکہ وہ غور کریں تو اس بات کے سمجھنے میں ذرا بھی دشواری نہیں ہے کہ ایک مردِ مجاہد جو میدانِ جنگ میں جہاد کر رہا ہے اس کا یہ جہاد ہو نہیں سکتا جب تک اُس کے پیچھے ایک مجاہدہ بچّوں کے سنبھالنے اور گھر کی دیکھ بھال میں اپنی پوری قوّتیں صرف نہ کرے!!! میدانِ جنگ کا یہ جہاد گھر کے جہاد ہی کا ایک پرتو اور مرد کی یہ یکسوئی عورت کی قربانیوں کا ایک ثمر ہے اسلئے اگر مردِ خدا کی راہ میں لڑ رہا ہے تو تنہا مرد ہی نہیں لڑ رہا ہے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ

[1] الاستیعاب لابن عبدالبر ج ۲ ص ۷۰۶

خدا کی وہ بندی بھی مصروفِ پیکار ہے جس نے مرد کو زندگی کے دوسرے محاذوں پر لڑنے سے سبک دوش کرکے اس میدانِ جنگ کے لیے فارغ کیا ہے اور گھر کے مورچہ کو اس نے خود سنبھال رکھا ہے۔ جذبات سے الگ ہوکر صحیح صحیح موازنہ کرکے اگر دیکھا جائے تو کون کہہ سکتا ہے کہ ان دونوں جہادوں میں سے کوئی بھی کم ضروری ہے یا غیر ضروری ہے؟ انصاف یہ ہے کہ دونوں یکساں ضروری ہیں اس لیے خدا کی نگاہوں میں دونوں کا اجر و ثواب بھی یکساں ہے۔

وہ مساوات جس کو اسلام تسلیم نہیں کرتا

مرد و زن کے درمیان جو مساوات تو اسلام تسلیم کرتا ہے، باقی رہی وہ مساوات جو اس نظریہ پر مبنی ہے کہ "مرد اور عورت دونوں مساوی پیدا ہوئے ہیں اس لیے انتظامِ ملک میں دونوں کو مساوی حصہ ملنا چاہیئے" یا اس نظریہ پر مبنی ہے کہ "مرد جو کچھ کرسکتا ہے عورت بھی وہ سب کچھ کرسکتی ہے" اور اس کی بنا پر یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ عورت اور مرد دونوں کا دائرۂ عمل ایک ہونا چاہیئے اور دونوں کے حقوق و فرائض بھی بالکل ایک سے ہیں تو اس مساوات کے لیے اسلام میں کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اگر مساوات کا یہ تصور لے کر اسلام کے معاشرتی و اجتماعی نظام کو سمجھنے کی کوشش کی جائے گی تو نہ صرف اس کے سمجھنے میں ناکامی ہوگی۔ بلکہ اس قسم کی کوشش کرنے والے کو اسلام سے نہایت دل شکن مایوسی ہوگی اور اگر اس مفروضہ کے تحت آج عورتوں اور مردوں کو تربیت دینے کی کوشش کی گئی تو پوری سوسائٹی کا ذہن و فکر اور اس کی خواہشیں اور عادتیں ایک ایسے غلط سانچہ میں ڈھل جائیں گی کہ کل کو ان کے لیے صحیح اسلامی نظام کو قبول کرنا بالکل ناممکن ہوجائے گا۔ اور اگر فی الواقع آگے چل کر انہی نظریات پر کوئی اسلامی نظام بنانے کی کوشش کی گئی تو اس کے بنانے کے لیے ناگزیر ہوگا کہ شیخ الاسلامی کے لیے سر آغا خاں بالقابہ کی خدمات جس قیمت پر حاصل ہوسکیں، حاصل کی جائیں، کیونکہ اُن کے سوا کوئی دوسرا اس کارِ عظیم کا اہل نہیں ہے اور اس میں تو ذرا شبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ جو "اسلامی نظام" اس اساس پر بنے گا وہ ایک نہایت ہی نادر اور انوکھی چیز ہوگا جیسا

کہ ہمارے وزیراعظم صاحب نے پہلے ہی سے خبر دے دی ہے۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی آکر اس کو دیکھیں تو یقیناً یہی اعتراف فرمائیں گے کہ یہ وہ اسلام نہیں ہے جو آپ لائے تھے۔

مساوات کے اس نظریہ کو رہنما بنا کر اگر آپ آگے چلیں گے تو ہر قدم پر اسلام سے آپ کی لڑائی ہوگی اور یہ لڑائی صرف اُس اسلام سے نہیں ہوگی جسے آپ فقہاء اور ملاؤں کا اسلام کہتے ہیں بلکہ براہِ راست اللہ کی کتاب اور رسول اللہ کے احکام سے لڑائی ہوگی اور آپ کے لیے اس کے سوا کوئی چارۂ کار باقی نہیں رہے گا کہ یا تو اس غلط نظریہ سے استعفاء دے کر سیدھے سیدھے اسلام کو قبول کریں یا پھر صاف صاف اپنے ارتداد کا اعلان کردیں اور قرآن و رسولؐ کی اطاعت سے الگ ہوکر جس وادی میں آپ کا جی چاہے بھٹکتے پھریں۔

مساوات کا یہ نظریہ یوں تو ہر مرحلہ میں قرآن سے متصادم ہوگا جس کا صحیح صحیح اندازہ اسی وقت ہوسکے گا جب اس کا جوڑ قرآن کے ساتھ لگانے کی کوشش کی جائے گی لیکن ہم یہاں بھی چند واضح مثالیں پیش کئے دیتے ہیں تاکہ جو لوگ اس تصادم کی نوعیت کا کچھ اندازہ کرنا چاہیں وہ اس کا ایک سرسری اندازہ پہلے سے کرلیں۔

یہ نظریہ جیسا کہ واضح ہوچکا ہے معاشرتی و اجتماعی دائرہ کے اندر مرد و زن کی کامل مساوات کا مدّعی ہے اور کسی پہلو سے بھی مرد کے لیے کسی قسم کی ترجیح تسلیم کرنے کا روادار نہیں ہے، نہ حقوق میں نہ فرائض میں، لیکن قرآن مجید اس کے برعکس ایک طرف تو یہ تسلیم کرتا ہے کہ عورت بھی ذمہ داریوں کے ساتھ ساتھ حقوق رکھتی ہے اور اس کے حقوق بھی اسی طرح قطعی اور واجبُ الادا ہیں جس طرح مرد کے حقوق قطعی اور واجبُ الادا ہیں اور دوسری طرف معاشرتی نظام میں وہ مرد کو عورت پر ایک درجہ ترجیح دیتا ہے، اور اس ترجیح کو نظامِ معاشرت میں توازن قائم رکھنے کے لیے ضروری قرار دیتا ہے کیونکہ خاندان کی کفالت کا اصلی بوجھ مرد اٹھاتا ہے (اور اپنی صلاحیتوں کے لحاظ سے وہی اس بوجھ کے اٹھانے کے لائق ہے) اس لیے ضروری ہے کہ اس ذمہ داری کی زیادتی کی نسبت

سے اس کا حق بھی زیادہ ہو۔

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ (۲۲۸ - بقرہ)

اور عورتوں پر جس طرح ذمّہ داریاں ہیں اسی طرح دستور کے مطابق ان کے حقوق بھی ہیں۔ البتہ مردوں کے لیے ان کے اوپر ایک درجہ ترجیح کا ہے۔

اس ترجیح کی نوعیّت اور اس کے وجوہ کو دوسرے مقام میں یوں واضح کیا ہے کہ چونکہ خاندان کی کفالت کا بوجھ اٹھانے کی قابلیّت اللہ تعالیٰ نے مرد ہی میں رکھی ہے اور اس بنا پر بیوی بچّوں کے نفقہ کا قانونی ذمّہ دار مرد ہی ہے، عورت نہیں ہے۔ اس لیے مرد ہی اس بات کا سزاوار ہے کہ اس کو عورت کا سردار اور قوّام بنایا جائے۔ فرمایا:-

اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ط (۳۴ - سورۂ نسآء)

اور مردوں کو عورتوں پر قوّام بنایا گیا ہے۔ اس سبب سے کہ اللہ نے ایک کو دوسرے پر بعض اعتبارات سے ترجیح دی ہے اور نفقہ کی ذمّہ داری مردوں پر ڈالی ہے۔ پس نیک بیبیوں کو سزاوار ہے کہ فرمانبرداری کرنے والی اور رازوں کی حفاظت کرنے والی ہیں بوجہ اس کے کہ اللہ نے اس چیز کی حفاظت کی ہے

اس نظریّہ کا لازمی تقاضا یہ بھی ہے کہ عورتوں کو بھی وراثت میں مردوں کے برابر برابر حصّہ دیا جائے جیسا کہ اس نظریہ پر ایمان رکھنے والے بعض مسلمان ممالک مثلاً ٹرکی میں قانوناً اس کو تسلیم کر لیا گیا ہے۔ لیکن اسلام نے جیسا کہ ہم نے بیان کیا خاندان میں نفقہ کی اصلی ذمّہ داری مرد پر ڈالی ہے اس لیے اس نے وراثت میں مرد کو عورت کا دوگنا حصّہ دیا ہے۔

يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ه (۱۱ - سورۂ نسآء)

اور اللہ تمہاری اولاد کے بارہ میں یہ ہدایت کرتا ہے کہ مرد کو دو عورتوں کے برابر حصّہ دو!

اسی طرح مساوات کا یہ نظریہ مطالبہ کرتا ہے کہ جس طرح مرد کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ عورت کو طلاق دے سکتا ہے اسی طرح عورت کو بھی یہ حق ہونا چاہیئے کہ وہ جب چاہے مرد کو طلاق دے سکے۔ چنانچہ ٹرکی میں عورت کو یہ حق بخشا جا چکا ہے لیکن اسلام نے عورت کو مرد کی چیرہ دستیوں سے بچانے کے لیے قانون میں ضروری تحفظات تو ضرور رکھے ہیں لیکن خاندان کے نظام کو مستحکم رکھنے کے لیے عقدۂ نکاح کے بست و کشاد کا حق صرف اس کو دیا ہے جس کو اس نے قوّام بنایا ہے۔

اَوْ یَعْفُوَا الَّذِیْ بِیَدِہٖ عُقْدَۃُ النِّکَاحِ وَاَنْ تَعْفُوْٓا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَیْنَکُمْ (۲۳۷۔ بقرہ)

یا وہ معاف کرے جس کے ہاتھ میں سررشتۂ نکاح ہے۔ اور تمہارا ہی معاف کرنا مقتضائے تقویٰ ہے۔ اور اپنے درمیان جو فضیلت حاصل ہے اس کو فراموش نہ کرو!

عام بشری فرائض میں بھی اس نظریہ کے بالکل خلاف اسلام نے عورت اور مرد کے درمیان فرق کیا ہے اور عورت کو ذمہ داریوں سے الگ رکھا ہے اور اگر ناگزیر حالات میں کوئی بوجھ اس پر ڈالا بھی ہے تو اس کے فطری ضعف کا اعتبار کر کے اس کے کسر کا جبر مہیا کیا ہے۔

وَاسْتَشْہِدُوْا شَہِیْدَیْنِ مِنْ رِّجَالِکُمْ فَاِنْ لَّمْ یَکُوْنَا رَجُلَیْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّہَدَآءِ اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىہُمَا فَتُذَکِّرَ اِحْدٰىہُمَا الْاُخْرٰی ط (۲۸۲۔ بقرہ)

اور گواہ بناؤ اپنے مردوں میں سے دو، اگر دو مرد موجود نہ ہوں تو پھر ایک مرد اور دو عورتیں جن کو تم گواہوں میں سے پسند کرو۔ تاکہ اگر ایک بھول جائے تو دوسری یاد دلا سکے۔

اس نظریہ کے بموجب تمام مدنی و سیاسی حقوق و فرائض میں عورت کو بھی مرد کے دوش بدوش حصہ لینے کا پورا حق ہے۔ تمام اجتماعی سرگرمیوں میں اس کو مردوں کے برابر برابر حصہ لینے کی آزادی ہونی چاہیئے۔ ملازمتوں میں خواہ سول ہوں یا فوجی، اس کی پوری نمائندگی ہونی چاہیئے، دوسری تمام سیاسی سرگرمیوں میں بھی اس کی شرکت پر کوئی قدغن نہیں

ہونی چاہیئے۔ لیکن اسلام اُس کے برعکس معاشرت و تمدّن کی دوسری ضروری اور اہم خدمات کے لیے عورت کو ان جھمیلوں سے الگ رکھنا چاہتا ہے اور ان کاموں میں اس کی شرکت کو خود ان کاموں کے لیے بھی ضرر رساں قرار دیتا ہے اور ان دوسرے مقاصد کے لیے بھی نقصان دہ خیال کرتا ہے جو پوری خوش اسلوبی کے ساتھ صرف عورت کے ہاتھوں ہی انجام پا سکتے ہیں۔ اس کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں :۔

اسلام کے قانون کی رُو سے عورت نماز میں مردوں کی امام نہیں ہو سکتی اور اگر کسی مرد کی اقتداء میں وہ نماز ادا کرے تو اس کے لیے بھی بعض شرطیں ہیں جن کا اہتمام ضروری ہے۔ اس حکم کی وجہ عورت کی کمتری یا مرد کی فضیلت نہیں ہے، بلکہ یہ سرتاسر اسلام کے اخلاقی اصولوں پر مبنی ہے۔ عورت کی فطری و جنسی خصوصیات اور مرد کے جنسی میلانات کی وجہ سے عورت کی امامت میں یہ کھلا ہوا اندیشہ ہے کہ نماز کا وہ اخلاقی اور روحانی مقصد ہی فوت ہو جائے جس کے لیے نماز فرض کی گئی ہے۔ اس وجہ سے اسلام نے اس کی اجازت نہیں دی۔

اسلامی قانون کی رُو سے عورت مجسٹریٹ اور جج وغیرہ بھی نہیں بن سکتی۔[۱] بعض فقہاء نے اگر اس کی اجازت دی بھی ہے تو بہت سے مستثنیات اور شرائط کے ساتھ۔ اس کی بنیاد بھی عورت کی حقارت پر نہیں ہے بلکہ ان مناصب کی ذمّہ داریوں اور ان فرائض کے لحاظ پر ہے جو فطرت نے خاص طور پر عورتوں سے وابستہ کئے ہیں۔

عورت کی امارت کے متعلق خود حدیث میں یہ تصریح ہے :۔

عن ابی بکرۃ قال لما بلغ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم ان اھل فارس ملکوا علیھم بنت کسریٰ قال لن یفلح قوم ولوا امرھم امرأۃ۔ (رواہ احمد والبخاری والنسائی والترمذی وصححہ)

ابوبکرہ سے روایت ہے، انہوں نے بیان کیا کہ جب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو یہ معلوم ہوا کہ ایرانیوں نے کسریٰ کی بیٹی کو اپنا بادشاہ بنایا ہے تو آپؐ نے فرمایا کہ وہ قوم کامیاب نہیں ہو سکتی جس نے اپنی زمامِ کار ایک عورت کے حوالہ کر دی ہے۔

[۱] نیل الاوطار - ج ۸ ص ۲۴۰

یہی روایت بخاری میں ایک اور پہلو کی وضاحت کے ساتھ آئی ہے

عن ابی بکرۃ قال لقد نفعنی اللہ بکلمۃ سمعتھا من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایام الجمل بعد ما کدت ان الحق باصحاب الجمل فاقاتل معھم قال لما بلغ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اھل فارس قد ملکوا علیھم بنت کسریٰ قال لن یفلح قوم ولوا امرھم امرءۃ۔

(بخاری کتاب النبی الی کسریٰ)

ابوبکرہ سے روایت ہے کہ ایک بات جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی تھی اس نے مجھے جنگِ جمل کے زمانہ میں فائدہ پہنچایا جب کہ قریب تھا کہ میں اصحاب جمل کے ساتھ شریک جنگ ہو جاؤں۔ وہ بات یہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ خبر ملی کہ اہل فارس نے کسریٰ کی بیٹی کو اپنے تخت پر بٹھایا ہے تو آپ نے فرمایا کہ وہ قوم کبھی فائز المرام نہیں ہو سکتی جو اپنی حکومت ایک عورت کے سپرد کر دے۔[1]

فوج میں عورتوں کی شرکت کا حال یہ ہے کہ احادیث اور تاریخ کی کتابوں میں بعض مثالیں اگرچہ ملتی ہیں کہ کبھی کبھی بعض عورتیں اپنے شوہروں یا دوسرے عزیزوں کی معیت میں اسلامی فوج کے ساتھ نکلی ہیں لیکن اس نکلنے کی وجہ ہرگز یہ نہیں تھی کہ مدافعت یا جہاد میں حصہ لینا عورتوں پر بھی اسی طرح فرض ہے جس طرح مردوں پر فرض ہے اسلام میں فریضۂ جہاد اصلاً اور اوّلاً مردوں کے ساتھ مخصوص ہے۔ اسی وجہ سے آنحضرت صلعم نے عورتوں کو براہِ راست جہاد میں حصہ لینے کی نہ کبھی دعوت دی اور نہ کبھی ان کی شرکت پر ان کی حوصلہ افزائی فرمائی۔ عرب کے دستور کے مطابق اگر کچھ خواتین اپنے شوہروں اور عزیزوں کے ہمراہ نکل پڑیں تو ان کو مریضوں کی تیمارداری، زخمیوں کی مرہم پٹی، کھانا پکانے اور اس قسم کی خدمات میں حصہ لینے کا موقع بھی دیا گیا اور مالِ غنیمت میں سے بھی بطورِ حصہ کے نہیں بلکہ بطورِ عطیہ کے ان کو کچھ دے دیا گیا۔ لیکن نہ تو عورتیں اپنے عزیزوں کے بغیر کبھی ان غزوات میں نکلیں، نہ ان کو کبھی جنگ میں حصہ لینے کی دعوت

[1] جنگِ جمل میں فوج کی اصلی قیادت درحقیقت حضرت عائشہ کر رہی تھیں۔ ابوبکرہ کا اشارہ اسی بات کی طرف ہے۔

دی گئی، نہ براہِ راست جنگ میں حصّہ لینے کا ان کو موقع دیا گیا، نہ مالِ غنیمت میں اُن کو بحیثیت حصّہ دار کے شریک کیا گیا اور نہ جنگوں میں ان کی شرکت کی حوصلہ افزائی ہی کی گئی۔ چند صحیح احادیث ملاحظہ ہوں۔

عن عائشۃ، انّہا قالت یارسول اللہ نری الجہاد افضل العمل افلا نجاھد قال لا لکن افضل الجہاد حج مبرور۔
(رواہ احمد والبخاری)

حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ یا رسولؐ اللہ ہم جہاد کو سب سے زیادہ افضل نیکی سمجھتی ہیں تو کیا ہم جہاد نہ کریں۔ آپؐ نے فرمایا نہیں بلکہ تمہارے لیے سب سے افضل نیکی حجِ مقبول ہے۔

بخاری کے الفاظ یہ ہیں :۔

جہادکن الحج

تمہارا جہاد حج ہے

اُمِّ ورقہ بنتِ نوفل کے متعلق روایت ہے کہ انہوں نے بدر میں شرکت کی اجازت مانگی تو آپؐ نے اُن کو اجازت نہیں دی۔ وہ قرآن کی عالمہ تھیں۔ انہوں نے پھر آپؐ سے اس بات کی اجازت مانگی کہ ان کو نماز اور تعلیمِ قرآن کے لیے اپنے گھر میں عورتوں کو جمع کرنے کی اجازت دی جائے۔ آپؐ نے اُن کو اس بات کی اجازت دے دی۔ چنانچہ محلّہ کی عورتیں ان کے ہاں جمع ہوتیں اور وہ ان کی امامت کرتیں[1]

پردہ کے احکام نازل ہو جانے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے عورتوں کے حوصلۂ شرکتِ جہاد کے خلاف ناراضگی کا اظہار بھی کر دیا تھا، تاکہ یہ سلسلہ زیادہ نہ بڑھنے پائے۔ چنانچہ غزوۂ خیبر سے متعلّق یہ روایت ملتی ہے :۔

عن حشرج بن زیاد عن جدتہ ام ابیہ انّہا خرجت مع النّبی صلّی اللہ علیہ وسلّم غزوۃ خیبر سادس ست نسوۃ فبلغ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم

حشرج بن زیاد اپنی دادی سے روایت کرتے ہیں کہ وہ غزوۂ خیبر کے موقع پر آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ نکلیں۔ پانچ عورتوں کے ساتھ چھٹی وہ تھیں۔ کہتی ہیں کہ جب آنحضرت

[1] ابوداؤد ۔ باب امامۃ النّساء

فبعث الینا فجئنا فرأینا فیہ الغضب۔ فقال مع من خرجتن و باذن من خرجتن؟ فقلنا یا رسول اللہ خرجنا نغزل الشعر و نعین فی سبیل اللہ و معنا دواء للجرحی و نناول السھام و نسقی السویق قال قمن فانصرفن حتیٰ اذا فتح اللہ علیہ خیبرا سھم لنا کما اسھم للرجال فقلت لھا یا جدۃ و ما کان ذلک قالت تمرًا۔

(رواہ احمد و ابو داؤد)

صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمارے نکلنے کی اطلاع ہوئی تو آپؐ نے ہم کو بلوا بھیجا۔ ہم حاضر ہوئیں تو ہم نے آپ کو غضبناک پایا۔ آپؐ نے پوچھا تم کس کے ساتھ نکلیں اور کس کی اجازت سے نکلیں؟ ہم نے جواب دیا یا رسول اللہ! ہم چلی آئی ہیں، اُون کاتتی ہیں، کچھ اللہ کا کام کرتی ہیں، ہمارے ساتھ کچھ مرہم پٹی کا سامان بھی ہے۔ ہم تیر پکڑا دیں گی، ستو گھول کے پلا دیں گی۔ آپؐ نے فرمایا، چلو، واپس جاؤ۔ پھر جب اللہ نے خیبر فتح کرا دیا تو آپؐ نے ہم کو مردوں کی طرح حصہ[1] دیا۔ میں نے پوچھا کہ دادی! کیا چیز ملی، تو فرمایا کھجور۔

صدرِ اوّل کی پوری تاریخ میں عملی سیاست میں کسی عورت کے حصہ لینے کی اگر کوئی قابلِ ذکر مثال ملتی ہے تو وہ صرف اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدّیقہؓ کی ملتی ہے۔ انہوں نے حضرت عثمان غنیؓ کے خون کا مطالبہ کیا اور اس کے نتیجہ میں حضرت علیؓ سے اُن کی وہ جنگ ہوئی جس کو جنگِ جمل کہتے ہیں۔ اس جنگ میں حق پر کون تھا اور کس سے اجتہاد کی غلطی صادر ہوئی، اس امر سے اس موقع پر بحث نہیں ہے۔ ہم صرف اس سوال پر غور کرنا چاہتے ہیں کہ ایک عورت کی حیثیت سے اس معاملہ میں پڑنا ام المؤمنین کے لیے صحیح تھا یا نہیں؟ اس کے متعلق متعدد صحابہ اور صحابیات کی رائیں رجال و تاریخ کی کتابوں میں موجود ہیں لیکن چونکہ وہ ایک فریق کی جانبداری پر محمول کی جا سکتی ہیں اس لیے ہم یہاں ان کو نقل نہیں کریں گے۔ البتہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی رائے پیش کرتے ہیں جو دو پہلوؤں سے اہمیت رکھتی ہے۔ ایک تو یہ کہ وہ ایک ایسے شخص کی رائے ہے جو اس سارے جھگڑے میں غیر جانبدار

---

[1] حصہ سے مراد یہاں مردوں کی طرح مالِ غنیمت میں حصہ نہیں ہے بلکہ خود ان کے بیان سے واضح ہے کہ کچھ کھجوریں وغیرہ ان کو بھی دی گئیں!

رہے اور دوسرا یہ کہ ان کے علم و تقویٰ پر کبھی کسی نے حرف رکھنے کی جرأت نہیں کی۔ روایت ہے کہ انہوں نے صاف صاف کہا کہ حضرت عائشہؓ کے لیے اس معاملہ میں پڑنے سے زیادہ بہتر یہ تھا کہ وہ اپنے گھر میں بیٹھتیں۔

ان بیت عائشۃ خیر لھا من هودجها ۔[1]	حضرت عائشہ کا گھر ان کے لیے ان کے ہودج سے بہتر تھا !!

حضرت علیؓ اس معاملہ میں فریق کی حیثیت رکھتے ہیں، اس وجہ سے ممکن ہے بعض لوگ ان کی رائے کو زیادہ وزن نہ دیں۔ لیکن نازک سے نازک حالات کے اندر انہوں نے جس طرح اپنے سخت سے سخت مخالفوں کے مقابل میں اپنے آپ کو جذبات کی رَو میں بہنے سے بچایا ہے اور جس طرح قول و فعل دونوں میں حق و انصاف کو ملحوظ رکھا ہے یہاں تک کہ جنگِ جمل کے فتنہ میں انتہائی مشکل حالات کے اندر جس طرح خود اُمّ المؤمنین کے مرتبہ کا انہوں نے لحاظ رکھا ہے اس کی بنا پر وہ حق رکھتے ہیں کہ اس معاملہ میں اُن کی رائے کو ایک فریق کی رائے قرار دیکر نظرانداز نہ کیا جائے بلکہ دوسرے تمام معاملات میں ان کی راؤں کو جو دینی و شرعی وقعت دی جاتی ہے اُسی احترام کے ساتھ اس معاملہ میں بھی اُن کی رائے پر غور کیا جائے اور دیکھا جائے کہ وہ کس پہلو سے حضرت عائشہؓ رضی اللہ عنہا کے اس اقدام کی مخالفت کرتے ہیں۔ انہوں نے حضرت عائشہؓ کو اس بارہ میں جو خط لکھا اس کے الفاظ یہ ہیں:۔

اما بعد فانكِ خرجتِ ما ضبة لله ولرسوله تطلبين امرًا كان عنك موضوعًا.	آپ اللہ و رسول کی حمیت میں ایک ایسے مطالبہ کو لے کر اُٹھ پڑی ہیں جس کی ذمہ داری سے آپ اللہ و رسولؐ کی جانب سے سبکدوش تھیں۔
ما بال النساء والحرب والاصلاح بين الناس تطلبين بدم عثمان ولعمري لمن عرضك للبلاء وحملك على المعصية اعظم اليك ذنبًا من قتلة عثمان وما غضبت حتّى اغضبت وما	عورتوں کو جنگ اور مردوں کے معاملات میں پڑنے سے کیا تعلق؟ آپ عثمانؓ کے خون کا مطالبہ لے کر اُٹھی ہیں حالانکہ اللہ گواہ ہے کہ جن لوگوں نے آپ کو اس آزمائش میں مبتلا کیا اور اس

[1] الامامۃ والسیاسۃ لابن قتیبہ ص ۵۶

هجت حتى هيجت فاتقي الله فارجعي إلى بيتك[1]

غلطی پر آمادہ کیا، انہوں نے عثمانؓ کے قاتلوں سے بڑی برائی آپ کے ساتھ کی۔ آپ دوسروں کے ابھارنے سے غصّہ میں آگئی ہیں۔ اور دوسروں کی انگیخت سے آپ میں اشتعال پیدا ہوگیا ہے، اللہ سے خوف کیجئے اور گھر کو لوٹ جائیے!

ملاحظہ فرمائیے، اس خط میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نفس معاملہ کے حق یا باطل ہونے پر کوئی بحث نہیں کرتے اور اُمّ المؤمنین سے یہ نہیں کہتے کہ آپ ایک بالکل غلط معاملہ کے لیے اٹھ پڑی ہیں اور اس کے غلط ہونے کے دلائل یہ اور یہ ہیں جیسا کہ انہوں نے اپنے دوسرے مخالفوں کو لکھا۔ بلکہ اُمّ المؤمنین پر ان کو جو اعتراض ہے وہ یہ ہے کہ انہوں نے ایک ایسے معاملہ میں براہِ راست اور عملی مداخلت کی ہے جس کی ذمّہ داریوں سے، ایک عورت ہونے کی حیثیت سے، اللہ اور اس کے رسولؐ نے ان کو بری کیا تھا لیکن محض دوسروں کی انگیخت سے وہ ایک غیر متعلق معاملہ میں پڑ گئی ہیں اور ایک بڑے فتنہ کی ذمّہ داریوں میں اپنے آپ کو اُلجھا دیا ہے جس سے بغیر کسی مسؤلیّت کے وہ اپنے تئیں علیحدہ رکھ سکتی تھیں۔

اُمّ المومنین نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اس خط کا جو جواب دیا وہ محض اس قدر تھا کہ "اب گلہ شکوہ کا وقت نہیں رہا"۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے حضرت علیؓ کرّم اللہ وجہہٗ کے اعتراض کی قوّت محسوس کی اور اُس سے متأثّر بھی ہوئیں لیکن حالات قابو سے باہر ہوچکے تھے اور اُن کے لیے اُٹھائے ہوئے قدم کو واپس لینا ناممکن ہوچکا تھا ورنہ یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ اس موقع پر اس مختصر جواب پر قناعت کر جاتیں اور حضرت علیؓ کے اس دعویٰ کو چیلنج نہ کرتیں کہ اس طرح کے معاملات عورتوں سے تعلق نہیں رکھتے۔ عورتوں کے حقوق کے لیے زندگی بھر وہ جس طرح لڑتی رہی ہیں اس کو دیکھتے ہوئے یہ بعید از قیاس معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ کی رائے کو غلط سمجھنے کے باوجود وہ اس کی تردید نہ کریں۔ ان کے تأثّر کی شہادت ان کی بعد کی پوری زندگی سے بھی ملتی ہے۔ کیونکہ جنگِ جمل کے بعد سیاسی فتنوں کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہوگیا لیکن اس کے بعد سے اُمّ المؤمنین نے اپنی ساری اصلاحی سرگرمیاں عورتوں تک

[1] الإمامة والسياسة لابن قتيبة - ص ۲۷

محدود رکھیں اور نہ صرف یہ کہ کسی عام سیاسی ہنگامہ میں کسی نوعیت سے حصّہ نہیں لیا بلکہ مختلف دلائل و قرائن سے پتہ چلتا ہے کہ جنگِ جمل کی غلطی پر ان کو مدّت العمر پچھتاوا رہا۔

مغربی نظریۂ مساوات کے قائلوں سے گذارش

یہ چند باتیں محض بطورِ مثال پیش کی گئی ہیں اور دکھانا یہ مقصود ہے کہ مغربی نظریۂ مساوات اور اسلامی نظریۂ مساوات میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اگر آپ مغربی نظریۂ مساوات کو لے کر "اسلامی نظام" بنانے چلیں گے تو قدم قدم پر خود اسلام ہی سے آپ کی لڑائی ہوگی۔ آپ کس کس چیز کو ملّائیت قرار دیں گے؟ کس کس بات کو فقیہوں اور مولویوں کا مذہب بتا کر رد کرنے کی کوشش کریں گے؟ کتنی جگہوں پر خود اپنی آنکھیں بند کریں گے اور کتنے مقامات پر دوسروں کی آنکھوں پر پٹّی باندھیں گے؟ مانا کہ آپ ایک انوکھا نظام بنائیں گے لیکن آخر وہ کتنا انوکھا ہوگا کہ مغربی نظریۂ مساوات پر بھی مبنی ہوگا اور اسلام پر بھی مبنی ہوگا؟ اس ملک کے عوام جاہل سہی اور آپ بڑے ماہرِ فن سہی مگر اپنی قوم کے متعلق آپ کا یہ گمان کہ وہ بالکل ہی عقل اور علم سے کوری ہے شاید صحیح نہ ثابت ہو۔

ہمارے نزدیک تو اس قسم کی کوشش کا نتیجہ ایک سخت ذہنی انتشار اور فکری خلفشار کے سوا اور کچھ نہیں نکلے گا۔ لوگ جب اسلام اسلام کی پکار کے ساتھ ہر قدم پر کھلم کھلا اسلام کشی کے دردناک مناظر دیکھیں گے تو ممکن نہیں ہے کہ اس کا ردِّ عمل نہایت افسوسناک شکل میں ظاہر نہ ہو۔ اس لیے سیدھا راستہ تو یہ ہے کہ جس اسلام کا آپ نام لیتے ہیں اس میں یکسو ہو جائیے اور معاشرہ کی تربیت بھی اسی کے اصولوں پر کیجیے اور سیاسی نظام بھی اسی کے اصولوں پر بنائیے۔ لیکن اگر اس کی ہمّت یا اس کا علم آپ میں نہیں ہے، یا یہ آپ کے نفس کی خواہشات کے خلاف ہے تو پھر شریفانہ طریقہ یہ ہے کہ راہ کا پتھر نہ بنئے اور ان لوگوں کو کام کرنے کا موقع دیجیے جو اسلام پر ایمان بھی رکھتے ہیں۔ اور اسلام کا علم بھی رکھتے ہیں۔ اور اگر یہ بات بھی منظور نہیں تو پھر تیسرا راستہ آپ کے لیے یہ ہے کہ اتاترک اور ان کے ساتھیوں کی طرح اپنے بل بوتے پر (اسلام کا جھوٹا لبادہ اوڑھ کر نہیں) میدان میں آئیے اور انہی کی طرح پوری

جرأت کے ساتھ اعلان کیجئے کہ ہمیں اسلام وسلام کچھ نہیں چاہیئے، ہم مغربی حکومتوں کے طرز پر ایک لادینی ریاست قائم کرنا چاہتے ہیں اور اس میں عورتوں کو اسی طرح مطلق العنان رکھنا چاہتے ہیں جس طرح وہ یورپ کی لادینی ریاستوں میں ہیں۔ انہوں نے ایک لمحہ کے لیے بھی خلق اور خالق کو دھوکا دینے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ انہوں نے کبھی نہیں کہا کہ دنیا کی نجات اگر ہے تو بس اسلام ہی کے اندر ہے اور ہم دنیا کو پھر ایک صحیح اسلامی حکومت کا جلوہ دکھانے کے لیے اٹھے ہیں۔ انہوں نے ایک لمحہ کے لیے بھی قرآن کا بحیثیت ایک نظامِ زندگی کے اعتراف نہیں کیا اور کبھی قرآن اور سُنّت کی تعلیمات کو پارہ پارہ کر دینے والی حرکتوں کا افتتاح قرآن کی تلاوت سے کر کے اللہ کے غضب کو بلاوے بھیجنے کی جسارت نہیں[1] کی بلکہ صاف صاف لادینیت کا اعلان کیا اور قرآن کو الگ رکھ کر جرمنی، اٹلی اور سوئٹزرلینڈ وغیرہ ممالک کے قوانین میں سے جس جس کو اپنی ہوائے نفس کے موافق پایا اس کو اپنا لیا اور اگر کسی

[1] کچھ دن پہلے کراچی میں بینک کا اور لاہور میں فلم کمپنی کا افتتاح قرآن مجید کی تلاوت سے ہو چکا ہے۔ اب ۲۵ر فروری ۱۹۵۰ء کے 'سول اینڈ ملٹری گزٹ' میں پاکستانی اولمپک گیمس کی تقریبِ افتتاح کی تفصیلات اور پھر اس سلسلہ کی تصویریں ملاحظہ ہوں۔ اس تقریبِ مبارک کا افتتاح بھی تلاوتِ قرآن مجید سے ہوتا ہے اس کے بعد کھلاڑیوں کا مارچ پاسٹ ہوتا ہے جس میں نوجوان مرد کھلاڑیوں کے پہلو بہ پہلو لڑکیاں بھی لنگر لنگوٹ کسے ہوئے موجود ہیں۔ آنریبل مسٹر غلام محمد نے سلامی لی اور اپنی تقریر میں اس امر پہ دلی خوشی کا اظہار فرمایا کہ الحمدُللہ کھلاڑیوں کے کھلاڑنیں بھی موجود ہیں اور امید ہے کہ آئندہ ان کی تعداد میں حسبِ دلخواہ اضافہ ہوگا۔ ان حرکتوں کے بعد اگر کچھ کسر رہ گئی ہے تو بس یہ کہ شراب نوشی کی محفل میں بادہ نوشی شروع کرنے سے پہلے قرآن کی وہ آیات تلاوت کر لی جایا کریں جن میں شراب کی حُرمت کا ذکر آیا ہے، اور بدکاری کے اڈّوں میں فواحش کا ارتکاب کرنے سے پہلے ان آیات کو پڑھ لیا جایا کرے جن میں زنا کی سزا بیان ہوئی ہے۔ تاکہ خدا کا غضب جتنا عام زانیوں اور شرابیوں پہ بھڑکتا ہے اس سے دس گُنا ان لوگوں پہ بھڑکے جو اس کے احکام کی نافرمانی کرنے سے پہلے اعلان کریں کہ ہاں ہم خدا کو بھی جانتے ہیں اور اس کے احکام کو بھی جانتے ہیں، مگر نہ ہمیں خدا کی پروا ہے نہ اس کے احکام کی۔ وہ اگر کوئی ہمّت رکھتا ہے تو ہم پہ ہاتھ ڈال کر دیکھے۔ (العیاذ باللہ)

بقیہ صـ ۷۹ پر دیکھو

ڈاکٹر اسرار احمد

دسویں قسط

شہیدِ مظلوم

حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ

صدیقیت و شہادت کے دو نور

سورۂ حدید کی جن آیات کی مَیں نے دورانِ تقریر میں کئی بار تلاوت کی ہے، اُن میں صدقہ کرنے والے اور اللہ کے دین کے لیے قرضِ حسن دینے والے مومن مردوں اور مومن عورتوں کے لیے جہاں اجرِ عظیم کی نوید سنائی گئی ہے، وہاں ان کو صدیقین و شہداء کے زمرے میں شامل ہونے کا مژدہ بھی سنایا گیا اور اُن کو یہ بشارت بھی دی گئی ہے کہ اُن کا اجر اور اُن کا نور اُن کے ربّ کے پاس محفوظ ہے۔ چنانچہ عثمانؓ غنی کی سیرت میں صدیقیت کے اوصاف بھی موجود ہیں اور پھر وہ شہادتِ عظمیٰ پر بھی فائز ہوئے ہیں گویا اُن کی شخصیت میں صدیقیت اور شہادت کے دونوں نور موجود ہیں۔ اس اعتبار سے بھی ذوالنورین کے معزز لقب کے صحیح مصداق حضرت عثمانؓ غنی کی شخصیت نظر آتی ہے۔

سنّتُ اللہ

رسولوں کے باب میں اللہ تعالیٰ کی یہ سنّت رہی ہے کہ اُن کو اللہ کی طرف سے ایک خاص تحفظ حاصل ہوتا ہے اور وہ مقتول نہیں ہوتے۔ چونکہ عالمِ ظاہری میں اس طرح رسول کے مغلوب ہونے کا پہلو نکلتا ہے اور مغلوبیت رسول کے شایانِ شان نہیں۔ لہٰذا اس بارے میں اللہ تعالیٰ کا فیصلہ یہ ہے کہ: لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیْ " لازماً میں اور میرے رسول غالب رہیں گے" ــــ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو راہِ حق میں شہادت کا اشتیاق تھا۔ چنانچہ کتبِ احادیث میں حضورؐ کی یہ دعائیں منقول ہوئی ہیں :ــــ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ شَھَادَۃً فِیْ سَبِیْلِکَ ــــ اور ــــ اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنِیْ شَھَادَۃً فِیْ سَبِیْلِکَ ۔ مزید براں حضورؐ کا یہ قول بھی احادیث میں موجود ہے : وَالَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِہٖ لَوَدِدْتُ اَنْ اَغْزُوْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَاُقْتَلُ ثُمَّ اَغْزُوَ فَاُقْتَلُ ــــ "میں یہ چاہتا ہوں اور میری یہ آرزو ہے کہ مَیں اللہ کی راہ میں

جہاد کروں اور قتل کر دیا جاؤں اور پھر (مجھے زندہ کیا جائے اور) میں پھر اللہ کی راہ میں جہاد کروں اور قتل کر دیا جاؤں۔" لیکن جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ رسولوں کے باب میں اللہ کی سنّت یہ ہے کہ رسول کبھی قتل نہیں ہوتے۔ کیونکہ اس میں ظاہری طور پر رسول کے مغلوب ہونے کا پہلو نکلتا ہے ـــــ البتہ انبیائے کرام کے بارے میں اللہ کی سُنّت دوسری ہے وہ قتل ہوئے ہیں جیسا کہ حضرت یحییٰ علیہ السّلام کے سانحۂ قتل سے ہر مسلمان واقف ہے ـــــ صدیق اکبرؓ کے باب میں بھی اللہ کی وہی سنّت کارفرما نظر آتی ہے جو رسولوں سے متعلق ہے چنانچہ حضرت ابوبکرؓ جو صدّیقیتِ کبریٰ کے مقام پر فائز ہیں طبعی طور پر وفات پاتے ہیں جبکہ مابعد کے تینوں خلفاءِ راشدین حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی اور حضرت علی حیدرِ کرّار رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین مرتبۂ شہادت سے سرفراز کئے جاتے ہیں ـــــ نبی اکرمؐ ان تینوں خلفاء کی شہادت کی پیشگی خبر دے چکے تھے۔ وہ حدیث تو بہت مشہور ہے اور آپ سب حضرات نے یقیناً سُنی ہوگی کہ ایک روز نبی اکرمؐ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، اور حضرت عثمانؓ کے ساتھ کوہِ اُحد پر تشریف لے گئے۔ کوہِ اُحد شاید رُعبِ نبوّت سے کانپا اور لرزا تو حضورؐ نے اپنے پائے مبارک سے اُحد کو ٹھونکا دیتے ہوئے فرمایا کہ "اے اُحد تھم جا، رُک جا، اِس وقت تیری پیٹھ پر ایک نبی، ایک صدّیق، اور دو شہیدوں کے سوا کوئی نہیں۔" (او کما قال)

ذُوالنّورین کے مصداق چند دوسری فضیلتیں

اب آگے چلیئے اور اس پہلو سے جائزہ لیجئے کہ حضرت عثمانؓ غنی رضی اللہ عنہ کی سیرت میں اسلام و ایمان کے ساتھ تعلق کی وجہ سے ایثار و قربانی کی اور کیا کیا فضیلتیں ہیں، جن پر ذُوالنّورین کا معزّز لقب صادق آتا ہے۔ کتبِ احادیث میں منقول ہے کہ حبشہ کی طرف سب سے پہلے ہجرت کرنے والوں میں حضرت عثمانؓ شامل تھے۔ آپ کے ساتھ رسول اللہ کی صاحبزادی حضرت رقیہؓ بھی تھیں اس ہجرت کے متعلق حضورؐ کا ارشاد ہے کہ حضرت ابراہیم اور حضرت لوط علیہما السّلام کے بعد عثمانؓ اور حضرت رقیہؓ (شوہر و بیوی ایک ساتھ) ہجرت کرنے والا یہ پہلا جوڑا ہے۔ یہ روایت امام حاکمؒ نے اپنی مستدرک میں عبدالرّحمٰن ابن اسحٰق بن سعد سے روایت کی ہے جو حضرت انسؓ سے جو روایت منقول ہے اُس میں یہ الفاظ ہیں کہ "عثمانؓ پہلے شخص ہیں جنھوں نے حضرت

لوط علیہ السّلام کے بعد اپنی اہلیہ کے ساتھ ہجرت کی ہے۔ اس سے مراد غالباً جوانی کے عالم میں میاں بیوی کا ہجرت کرنا مراد ہے۔ آپؓ کی دوسری ہجرت مدینۃ النبی کی طرف ہے۔ لہٰذا حضرت عثمانؓ غنیؓ کو راہِ حق میں ھِجْرَتَیْن کی سعادت نصیب ہوئی۔ اس لحاظ سے بھی آپؓ ذوالنورین کے لقب کے مصداق قرار پاسکتے ہیں۔

دو عجیب مثالیں

سورۂ کہف کا جن حضرات نے بہ نظرِ غائر مطالعہ کیا ہے وہ جانتے ہیں کہ سورۂ کہف کی ابتدا میں دوسرے رکوع میں اصحابِ کہف کا واقعہ بیان ہوا ہے اور سورہ کے آخری رکوع سے ماقبل حضرتِ ذوالقرنین کی فتوحات کے تذکرے کے ساتھ ہی اُن کی سیرت میں ایمان باللہ اور ایمان بالآخرت کے اوصاف کو نمایاں کیا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جنابِ ذوالقرنین ایک خدا پرست، خداترس، اور نیک شہنشاہ تھے۔ قرآن شہادت دیتا ہے کہ: اِنَّا مَكَّنَّا لَهٗ فِي الْاَرْضِ وَاٰتَيْنٰهُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ سَبَبًا ۝ واقعہ یہ ہے کہ جس دَور میں وہ گزرے ہیں اُس دور میں، وہ ایک عظیم ترین سلطنت کے شہنشاہ تھے ـــــ اصحابِ کہف کون تھے؟ از روئے قرآن یہ وہ نوجوان تھے جو ایک مشرکانہ ماحول اور مشرک بادشاہ کے دَور میں توحید کے ساتھ اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان لائے جس کی وجہ سے اُن کی جان کو خطرہ لاحق ہوگیا تھا اور وہ نوجوان اپنا ایمان اور اپنی جان بچانے کے لیے ایک پہاڑ کی کھوہ میں پناہ گزیں ہونے پر مجبور ہوگئے تھے ـــــ ان دونوں واقعات سے جو بات سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ یہ دو انتہائی حالات ہیں، جن سے اس دنیا میں اہلِ ایمان کو سابقہ پیش آسکتا ہے۔ اصحابِ کہف جیسے حالات بھی پیدا ہوسکتے ہیں کہ جن میں ایمان اور جان بچانے کے لیے کہیں پناہ گزیں ہونا پڑے اور حضرتِ ذوالقرنین کی طرح یہ صورتِ حال بھی پیش آسکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اہلِ ایمان کو اپنے فضل سے سطوت، شان و شوکت اور ایک عظیم سلطنت سے نوازے۔ اَب آپ خلافتِ راشدہ کی تاریخ میں دیکھئے کہ خلفائے راشدین میں سے حضرت عثمانؓ کی ذات میں یہ دونوں شانیں اور کیفیات مجتمع نظر آئیں گی۔ حضرتِ عثمانؓ کی سطوت، حکومت اور سلطنت و وسعت کے اعتبار حضرتِ ذوالقرنین کی سلطنت و حکومت سے سہ چند تھی۔

تاریخی لحاظ سے حضرت ذوالقرنین کی سلطنت کی حدود مکران سے لے کر بحیرۂ روم

کے ساحل تک تھیں۔ اس میں دارا اوّل کے دور میں مزید وسعت ہوئی، لیکن اس سلطنت کا حضرت عثمانؓ کے دورِ خلافت میں اسلامی مملکت کی حدود سے کوئی تقابل نہیں ہے۔ پورا جزیرہ نمائے عرب، پھر حضرت ذوالقرنین کی سلطنت کی جو مشرقی سرحد تھی، اُس سے لے کر تا بخاک کاشغر کا علاقہ حضرت عثمانؓ کی خلافت کے دور میں اسلام کے پرچم کے تحت تھا۔ اس کے علاوہ پورا شمالی افریقہ مصر سے لے کر مراکش تک حضرت عثمانؓ کے زیر نگیں تھا۔ حضرت عمر فاروقؓ کے دور میں صرف مصر اسلامی مملکت میں شامل ہوتا تھا لیکن حضرت عثمانؓ کی حدودِ سلطنت ماوراء النہر کو پھاند کر بلخ و بخارا اور کاشغر و تاشقند تک وسیع ہو چکی تھیں۔ اس کے ساتھ ہی حضرت عثمانؓ اصحابِ کہف جیسی حالت سے بھی دوچار ہوئے اور آپ فتنہ کے زمانے میں باغیوں کی دست درازیوں کی وجہ سے چالیس دن رات سے بھی زیادہ عرصہ اپنے گھر میں محصور رہے۔ اس حال میں کہ پینے کے لیے پانی تک موجود نہیں ـــــ یہ دونوں شانیں حضرتِ ذوالقرنین سے سہ چند سطوت و سلطنت اور اصحابِ کہف کی طرح محصوری و پناہ گزینی، حضرت عثمانؓ کی زندگی میں نظر آتی ہیں، جن کو بھی ہم ذوالنورین کے لقب کے مصداق قرار دے سکتے ہیں۔

دو مواقع پر حضرتِ عثمانؓ عدم موجودگی کے باوجود، موجود قرار دیے جاتے ہیں!!

آگے چلیے! حضرت عثمانؓ کی زندگی میں دو ایسے بھی مواقع پیش آئے کہ حضرت عثمان ذاتی حیثیت سے موجود نہیں ہیں لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے موجود قرار دیئے جاتے ہیں ـــــ پہلا واقعہ غزوۂ بدر کے موقعہ پر پیش آیا۔ اُس وقت حضرت رقیہؓ کافی علیل تھیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ "نبی اکرمؐ نے غزوۂ بدر کے موقع پر حضرت عثمانؓ کو اپنی صاحبزادی کی تیمارداری کے لیے مدینہ میں چھوڑ دیا تھا، اور فرمایا تھا کہ تم کو بدر کی شرکت کا ثواب اور اُس کا حصّہ ملے گا۔" مزید براں صحیح روایات میں مذکور ہے کہ غزوۂ بدر کے بعد جس میں اللہ تعالیٰ نے تین سو تیرہ (۳۱۳) بے سروسامان مسلمانوں کے جتھے کو کفار کے ایک ہزار کے مسلح لشکرِ جرّار پر فتح عنایت فرمائی تھی۔ جس کے نتیجہ میں ابوجہل سمیت ستر صنادیدِ عرب کافر کھیت رہے تھے اور قریش کا سارا غرور اللہ تعالیٰ نے خاک میں ملا دیا تھا اور جس میں ستر کے قریب کفار، مسلمانوں کی قید میں آئے تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ

علیہ وسلّم نے غزوۂ بدر کے غنائم میں سے حضرت عثمانؓ کو وہی حصّہ مرحمت فرمایا جو دوسرے بدری صحابہؓ کو مرحمت کیا گیا تھا۔ گویا حضرت عثمانؓ کو اِس غزوے میں مجازی طور پر شریک قرار دیا حیب کہ حقیقی طور پر وہ شریک نہیں تھے۔

دوسرا واقعہ حُدیبیہ کے موقع پر پیش آیا۔ آپ کو معلوم ہے کہ ۶ہجری میں نبی اکرمؐ عمرے کی نیّت سے اپنے صحابہؓ کے ساتھ مکّہ روانہ ہوئے۔ اثنائے سفر میں معلوم ہوا کہ قریشِ مکّہ مرنے مارنے پر تُلے ہوئے ہیں۔ اُنہوں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ چاہے خون کی ندیاں بہہ جائیں وہ مسلمانوں کو عمرہ نہیں کرنے دیں گے۔ چنانچہ نبی اکرمؐ نے حدیبیہ کے مقام پر قیام فرمایا۔ ضرورت محسوس ہوئی کہ قریشِ مکّہ کے پاس سفارت بھیجی جائے جو اُن کو سمجھا سکے کہ مسلمان لڑائی کی غرض سے نہیں آئے ہیں۔ اُن کا مقصد صرف عمرہ ادا کرنا ہے۔ نیز ان مسلمانوں کو بھی تسکین دے سکے جو مکّہ میں محصوری کے عالم میں زندگی بسر کر رہے ہیں اور کفارِ مکّہ کے جَور و ستم کا نشانہ بنے ہوئے ہیں۔ اُس سفارت کے لیے نبی اکرمؐ نے حضرت عثمانؓ کا انتخاب فرمایا اور اُن کو قریشِ مکّہ سے سلسلہ جُنبانی کرنے اور اُن مسلمانوں کو جو مکّہ میں قریش کی قید میں تھے، تسلّی دینے کے لیے مکّہ روانہ فرمایا۔ نبی اکرمؐ کا یہ انتخاب حضرت عثمانؓ کی بہت سی فضیلتوں کی دلیل ہے۔ پہلی یہ کہ حضرت عثمانؓ حضورؐ کے معتمد علیہ اصحاب میں شامل تھے۔ دوسری یہ کہ حضورؐ کی نظر میں حضرت عثمانؓ قریش کے نزدیک بھی معزز ترین اشخاص میں شمار ہوتے تھے۔ تیسری یہ کہ جب حضرت عثمانؓ مکّہ چلے گئے تو اصحابِ رسولؐ میں سے چند نے کہا کہ عثمانؓ کو خانہ کعبہ کا طواف مبارک ہو۔ حضورؐ نے یہ قول سُنا تو فرمایا کہ "مجھے یقین ہے کہ اگر زمانہ دراز تک عثمانؓ مکّہ میں رہیں تو بھی وہ اُس وقت تک طواف نہیں کریں گے، جب تک مَیں نہ طواف کر لوں"۔

اللہ! اللہ! کتنا اعتماد تھا حضورؐ کو جنابِ عثمانؓ پر ـــــ اور ہوا بھی یہی کہ حضرت عثمانؓ کے چچا زاد بھائی ابان بن سعید بن عاص نے اُنؓ کو مکّہ میں اپنی پناہ میں لے لیا، اور اُن کو دعوت دی کہ وہ طواف کر لیں۔ اُس مُحبِّ رسولؐ نے کہا کہ "جب تک نبی اکرمؐ طواف نہیں کر لیں گے مَیں طواف نہیں کر سکتا" ـــــ چوتھی یہ کہ جب یہ خبر مشہور ہو گئی کہ حضرت عثمانؓ کو مکّہ والوں نے شہید کر ڈالا ہے، تو حضورؐ نے حضرت عثمانؓ کے قصاص کے لیے تمام صحابہ کرامؓ سے بیعت لی۔ جن کی تعداد مختلف روایات کے مطابق ۱۴۰۰ سے لے کر ۲۴۰۰ تک بیان ہوئی ہے اور جو "بیعتِ رضوان" کے نام سے مشہور ہے۔ نیز جس کے متعلق سُورۂ فتح میں اللہ

تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ: لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ۝ (اے نبیؐ) بے شک اللہ مومنوں سے راضی ہوگیا جب وہ درخت کے نیچے تم سے بیعت کر رہے تھے اُن کے دلوں کا حال اُس کو (یعنی اللہ کو) معلوم تھا۔ اِس لیے اُس نے اُن پر سکینت نازل فرمائی اور اُن کو انعام میں فتح قریب بخشی۔"

غور کیجیے! کہ حضرت عثمانؓ کے خون کا قصاص لینے کے لیے نبی اکرمؐ اپنے تمام صحابہ کرامؓ سے بیعت لیتے ہیں گویا خونِ عثمانؓ کی حضورؐ کی نگاہ میں اتنی قدر و منزلت اور وقعت تھی ——— یہی وہ دوسرا موقع ہے جس میں حضورؐ نے حضرت عثمانؓ کے حقیقی طور پر موجود نہ ہونے کو بھی مجازی طور پر موجود قرار دیا۔ چنانچہ "بیعتِ رضوان" کے موقع پر حضورؐ نے اپنا داہنا ہاتھ اُٹھا کر فرمایا کہ "یہ عثمانؓ کا ہاتھ ہے" اور بایاں ہاتھ اُٹھا کر فرمایا کہ "یہ میرا ہاتھ ہے" اور یہ فرما کر اپنا داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھ کر فرمایا کہ "یہ عثمانؓ کی طرف سے (اگر وہ زندہ ہیں) بیعت ہے۔" یہ حضرتِ عثمانؓ کی بہت بڑی فضیلت ہے کہ وہ موجود نہ ہوتے ہوئے بھی "بیعتِ رضوان" میں داخل ہیں۔ حضرتِ عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ نے حضرت عثمانؓ کو مکّہ اس لیے روانہ کیا تھا کہ مکّہ والوں کے نزدیک اُن سے زیادہ کوئی صاحبِ عزّت نہ تھا۔ "بیعتِ رضوان" اُن کے قتل کی خبر پہنچنے کے بعد ہوئی۔ نبی اکرمؐ نے اپنے داہنے ہاتھ کی طرف اشارہ فرمایا اور دوسرے ہاتھ پر مار کر ارشاد فرمایا کہ یہ عثمانؓ کی بیعت ہے۔"

اللہ! اللہ! خونِ عثمانؓ کے قصاص کے لیے نبی اکرمؐ صلّی اللہ علیہ وسلّم اپنے تقریباً ۱۴۰۰ صحابۂ کرام رضوانُ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے بیعت لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اس بیعت پر اپنی خوشنودی اور رضامندی کا اظہار فرماتا ہے۔ اس کے بعد بھی حضرت عثمانؓ کی فضیلت میں کوئی شک کرے اور اُن کی تنقیص کرے، اُن پر اعتراضات و اتّہامات وارد کرے، اُن کی شخصیّت کو مجروح کرنے کی کوشش کرے تو اُس کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں محاسبے کا جواب بھی سوچ لے۔

پس غزوۂ بدر اور حدیبیہ دونوں مواقع پر گو حضرت عثمانؓ حقیقی طور پر موجود نہیں ہیں لیکن حضورؐ اُن کو مجازی طور پر موجود قرار دیتے ہیں۔ اس لحاظ سے بھی "ذُوالنّورین" کا لقب

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر بالکل راست آتا ہے!

دورِ فاروقی اور علوی کی جھلک | حضرت عثمانؓ کے دورِ خلافت میں حضرت عمر فاروقؓ اور حضرت علی حیدر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ادوارِ خلافت کے رنگ بھی نمایاں نظر آتے ہیں یہ دونوں اصحابِ رسولؐ نہ صرف یہ کہ عشرۂ مبشّرہ میں شامل ہیں بلکہ مسلّمہ طور پر خلفائے راشدین اور فضیلت کے لحاظ سے پوری اُمّت میں حضرت عمر فاروقؓ دوسرے مقام اور حضرت علی حیدرؓ چوتھے مقام پر فائز ہیں ـــــ آپ کو معلوم ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے مختلف مراحل سے گزر کر تیئیس ۲۳ سالہ جاں گسل جدّوجُہد اور محنتِ شاقّہ کے بعد اپنی بعثت کے اس امتیازی منصب کی تکمیل فرمادی، جو کسی دوسرے رسول کو حاصل نہیں تھا اور جو آپ کے خاتم النبیین ہونے کی وجہ سے آپ کے فرائضِ منصبی میں داخل تھا یعنی : هُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَ دِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ ط حضورؐ کی حیاتِ طیّبہ میں جزیرہ نمائے عرب میں اللہ کا دین بہ تمام وکمال قائم ونافذ ہوگیا اور اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ط کی شان بالفعل نظر آنے لگی اور اللہ ہی کا کلمہ سب سے بلند وبالا ہوگیا : كَلِمَةُ اللّٰهِ هِیَ الْعُلْیَا۔

ختم المرتبت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلّم کی وفات کے بعد جیسا کہ ہم سب جانتے ہیں کہ عرب میں اسلامی انقلاب کے خلاف ایک شدید ردِّ عمل پیدا ہوا۔ بہت سے جھوٹے مدّعیانِ نبوّت کھڑے ہوگئے۔ چند قبائل مرتد ہوگئے۔ بعض مضبوط قبائل نے زکوٰۃ کی ادائیگی سے انکار کردیا۔ صدّیقِ اکبرؓ نے ان تمام فتنوں کو فرو کیا۔ دراصل صدّیق کا مقام ہی یہ ہوتا ہے کہ وہ رسول کے کام کو مستحکم کرتا ہے۔ معاندین کی قوّت کو کچلتا ہے اور ہر ردِّ عمل کو ختم کرتا ہے چنانچہ صدّیقِ اکبرؓ حضرت ابوبکر کا ڈھائی سالہ دورِ خلافت اسی شان کا مظہر نظر آتا ہے۔ اس کام کی تکمیل کے بعد وہ بھی رخصت ہوگئے ـــــ اس کے بعد دورِ فاروقی شروع ہوتا ہے جس کو ایک جُملہ میں بیان کرنے کی کوشش کی جائے تو یوں کہا جاسکتا ہے کہ باغ اپنی پوری بہار پر آگیا ہے ـــــ حقیقت یہ ہے کہ خلافتِ راشدہ اپنے عُروج پر دورِ فاروقی میں نظر آتی ہے ـــــ داخلی استحکام کے ساتھ فتوحات کا طویل سلسلہ شروع ہوا۔ اسلامی سلطنت میں اصل توسیع دورِ فاروقی میں ہوئی ہے۔ سلطنتِ کسریٰ کا نام ونشان صفحۂ گیتی سے اسی دور میں محو ہوا اور سطوتِ کسریٰ ایک داستانِ پارینہ بن گئی ـــــ سلطنتِ رُوما کی ایک ٹانگ اسی دورِ فاروقی میں ٹوٹ چکی تھی۔ یعنی قیصرِ رُوم جس کا تین بڑا علاقہ مغربی ایشیا، یورپ اور

شمالی افریقہ کے اکثر حصّہ پر تسلّط تھا۔ اس میں سے مغربی ایشیا کی حد تک رُوما کی سلطنت کا اسی دَور میں جنازہ نکل چکا تھا اور شمالی افریقہ میں مصر جیسے عظیم الشان ملک سے قیصر محروم ہو چکا تھا۔ اس کے بعد شمالی افریقہ میں فتوحات کا دائرہ دَورِ عثمانی میں وسیع ہوا ہے۔ دوسری طرف حضرت عثمانؓ ہی کے دَور میں سرحدیں ماوراء النہر تک پھیل گئی ہیں۔ ذرا تصوّر کیجئے کہ اس وقت کا لیبیا، ٹیونس، الجزائر اور مراکش حضرت عثمانؓ کے دَور میں اسلام کے پرچم تلے آچکا تھا ــــــ حضرت عثمانؓ کے دَورِ خلافت کے بارے میں لوگوں کے ذہن میں یہ بات بٹھا دی گئی ہے کہ شاید فتنہ ہی فتنہ اور فساد ہی فساد تھا ــــــ یہ بہت بڑا مغالطہ ہے بلکہ صریح بہتان و افترا ہے۔ خلفائے اربعہ میں سے سب سے زیادہ طویل دَورِ خلافت حضرت عثمانِؓ غنی کا ہے۔ حضرت ابوبکرؓ کا دَور تقریباً ڈھائی سال رہا۔ حضرت عمرؓ کا دَور تقریباً دس سال رہا۔ حضرت علیؓ کا تقریباً پونے پانچ سال اور حضرت عثمانؓ کا دَور تقریباً بارہ سال رہا ــــــ خلافتِ عثمانیہ کے اس بارہ سال کے طویل دَور میں فاروقی اور علوی دَورِ خلافت کے دونوں رنگ موجود ہیں ــــــ حضرت عثمانؓ کے دَورِ خلافت کے پہلے آٹھ سال میں امن و امان اور دبدبہ کا وہی رنگ رہا ہے جو دَورِ فاروقی میں نظر آتا ہے۔ اِن آٹھ سالوں میں وہی عدل و انصاف اور داخلی استحکام کی کیفیّت ہے جو دَورِ فاروقی کا طرۂ امتیاز رہی ہے۔ ساتھ ہی ساتھ مجاہدین اسلام کے قدم آگے بڑھتے چلے جا رہے ہیں۔ فتوحات کا دائرہ وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا گیا ہے۔ حضرت عمر فاروقؓ کی شہادت کے بعد دشمنانِ اسلام نے یہ سمجھا تھا کہ شاید اسلامی حکومت قائم نہ رہ سکے گی۔ چنانچہ حضرت عمرؓ کی شہادت کے فوراً بعد بعض مفتوحہ، خاص طور پر ایران کے اکثر علاقوں میں شورشیں اور بغاوتیں شروع ہوئیں۔ لیکن حضرت عثمانؓ غنی نے ایک ایک کو فرو کر دیا اور حالات پر پوری طرح قابو پا لیا، پھر اللہ تعالیٰ کے دین کے غلبے کے لیے نئے اقدامات کیے۔ بحرِ اوقیانوس کے ساحل تک شمالی افریقہ فتح ہو گیا۔ یہ جنگ، جنگِ عبادلہ کہلاتی ہے۔ حضرت عبداللہؓ بن سعد اس مہم کے کمانڈر انچیف تھے اور اس میں حضرت عبداللہؓ بن عباس، حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت عبداللہؓ بن زبیرؓ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین بھی شریک تھے۔ اسی جنگ کے نتیجے میں پورے شمالی افریقہ کی قسمت بدل گئی اور سلطنتِ رُوما کا جھنڈا وہاں سرنگوں ہو گیا اور دینِ مبین کا پرچم لہرانے لگا ــــــ عثمانی خلافت کے آخری چار سال، حضرت علیؓ کے دَورِ خلافت کے مماثل نظر آتے ہیں۔ خلافتِ عثمانی میں یہودیوں اور عجمیوں کی سازشوں نے سر اٹھانا شروع کیا اور اس فتنے کے

نتیجے ہی میں شہادتِ عثمانؓ کا سانحہ فاجعہ ظہور پذیر ہوا اور یہ فتنہ حضرت علی حیدرؓ کے دورِ خلافت میں اپنے عروج پر پہنچا اور جنگل کی آگ کی طرح پھیل گیا۔ علوی خلافت کے تقریباً پونے پانچ سال اسی فتنہ و فساد اور خانہ جنگی کی نذر ہوئے اور اسی دور میں جنگِ جمل اور جنگِ صفین ظہور پذیر ہوئیں اور بالآخر اسی فتنہ نے چوتھے خلیفۂ راشد حضرت علیؓ کی شمعِ حیات گُل کر دی ——
حضرت علیؓ کے دور میں ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھا نہ اسلامی سرحدیں آگے پھیلیں۔
بہرنوع مجھے یہاں یہ عرض کرنا مقصود ہے کہ عثمانی دورِ خلافت میں دورِ فاروقی اور دورِ علوی دونوں کی کیفیات جمع ہیں۔ پہلے آٹھ سال دورِ فاروقی کا کامل عکس نظر آتے ہیں آخری چار سال وہ ہیں جن میں دشمنانِ اسلام کی ریشہ دوانیوں نے سر اُٹھانا شروع کیا تھا۔ جس کے نتیجے میں حضرت عثمانؓ انتہائی مظلومی کی حالت میں شہید کئے گئے اور جو ایک ہولناک فتنے کی شکل میں علوی دورِ خلافت میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گیا اور مسلمان آپس ہی میں دست و گریباں ہو گئے اور چوراسی ہزار کلمہ گو ایک دوسرے کے ہاتھوں تہہ تیغ ہو گئے کفار کے ساتھ اس دور میں جنگ و قتال کا کوئی معرکہ پیش نہیں آیا۔ اس فتنہ اور سازش کے اسباب پر میں اختصار کے ساتھ آگے کچھ بیان کروں گا، یہاں صرف اتنا سمجھ لیجئے کہ ایسے فتنوں کے کچھ ظاہری اسباب ہوتے ہیں جو نظروں کے سامنے ہوتے ہیں اور کچھ مخفی اور باطنی اسباب ہوتے ہیں۔ جو نظر تو نہیں آتے لیکن فیصلہ کن کردار یہی مخفی و باطنی اسباب ادا کرتے ہیں جن پر میں بعد میں کچھ عرض کروں گا۔

میں ایک بات اسی موقع پر صاف کر دینی چاہتا ہوں، وہ یہ کہ علوی دورِ خلافت میں جو بدامنی، خانہ جنگی اور مسلمانوں کے مابین خون ریزی ہوئی تو حاشا و کلّا اس کا کوئی الزام ہم امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذاتِ گرامی پر نہیں لگاتے۔ یہ جسارت ہم کیسے کر سکتے ہیں۔ پوری اُمّتِ مسلمہ کے نزدیک حضرت علیؓ چوتھے خلیفۂ راشد ہیں وہ فضیلت کے اعتبار سے تمام صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں چوتھے نمبر پر ہیں۔ گویا ہم ابوبکر صدیقؓ، عمر فاروقؓ اور عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے بعد سب سے زیادہ افضل حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مانتے ہیں۔ اس فتنہ و فساد میں اُن کی کوئی کمزوری شاملِ حال نہیں تھی، وہ برحق خلیفۂ راشد تھے۔ صورتِ حال یہ تھی کہ سازش کی آگ اس طرح بھڑکا دی گئی تھی کہ نہ حضرت عثمانؓ اُس کو فرو کر سکے اور نہ ہی حضرت علیؓ۔ اگر حضرت علیؓ فتنہ و فساد فرو

نہ کر سکے تو اس کا ذرّہ بھر الزام بھی حضرت علیؓ کی ذاتِ گرامی پر نہیں آتا۔ بالکل یہی بات حضرت عثمانؓ پر بھی راست آتی ہے۔ اگر وہ فتنہ کو فرو نہ کر سکے تو کتنا بڑا ظلم ہے کہ اُن پر سارا الزام رکھ دیا جائے۔ کیسا تضاد ہے کہ ایک زمانے میں پورا دورِ خلافت فتنہ و فساد کی نذر ہو گیا اور وہ حالات پر قابو نہ پا سکے اور اس کو فرو نہ کر سکے تو بھی وہ شیرِ خدا ہیں۔ اور اگر دوسرے کے دور میں جبکہ اُن کا دو تہائی دور، دورِ فاروقی کے مثل ہو اور صرف ایک تہائی دور میں فتنہ و فساد سر اُٹھائے تو اُن کے بارے میں یہ حکم لگایا جائے کہ وہ کمزور تھے، اُن میں یہ نقص تھا، وہ کمی تھی، یہ تھا اور وہ تھا ـــــ انسان ذرا بھی سوچے اور انصاف بینی سے کام لے تو فکر کا یہ تضاد بالکل مبرہن ہو کر سامنے آجائے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ ان لوگوں کے طرزِ فکر پر انتہائی ملال، اور افسوس ہوتا ہے، جو کیسی کیسی بے بنیاد باتوں پر حضرت عثمانؓ سے سوئے ظن پیدا کرنے کی جسارت کرتے ہیں۔ اور ان لوگوں پر رحم آتا ہے جو اُن پر اعتبار کر کے حضرت عثمانؓ ذوالنورین کے متعلق اپنی رائے کو مجروح کر لیتے ہیں اور اپنی آخرت کو برباد کرتے ہیں۔

ذوالنورین کے خلاف اعتراضات

آپ کو شاید معلوم ہو کہ معاندینِ عثمانؓ نے دورِ عثمانیؓ ہی میں حضرت عثمانؓ پر مسجدِ نبوی میں صحابہؓ اور تابعین کے بھرے مجمع میں بارہ الزامات اور اعتراضات عائد کئے تھے جن کی صفائی اُسی مجمع میں حضرت عثمانؓ نے پیش کر دی تھی جس کی تصویب و تائید خود حضرت علیؓ نے کی تھی اور اکابر و عظام صحابہ کرام نے بھی حضرت عثمانؓ غنی کی صفائی کی توثیق کی تھی۔ مفسدین نے بعد میں جب یورش کر کے مدینہ میں حضرت عثمانؓ غنی کا محاصرہ کر لیا تو اس موقع پر حضرت علیؓ نے باغیوں کے ایک گروہ سے پوچھا کہ آخر ان کو خلیفۂ وقت اور امیر المؤمنین سے کیا شکایت ہے؟ ان لوگوں نے ان ہی بارہ اعتراضات کا اعادہ کر دیا، جن کی صفائی ایک بھرے مجمع میں حضرت عثمانؓ کر چکے تھے اور دوسرے اکابر صحابہؓ کے سامنے حضرت علیؓ بھی جن کی تصویب، تائید اور توثیق کر چکے تھے ـــــ چنانچہ حضرت علیؓ نے اس موقع پر بھی اس گروہ کے سامنے حضرت عثمانؓ کی طرف سے پیش کردہ صفائی اپنی تصویب کے ساتھ پیش کر دی اور ان کے عائد کردہ تمام الزامات و اعتراضات سے حضرت عثمانؓ کو بری قرار دیا ـــــ یہ اور بات ہے کہ مفتریوں کے ارادے ہی خراب تھے اس لیے انہوں نے حضرت علیؓ کی تصویب و تائید اور برأت کو تسلیم نہیں کیا۔ لیکن حیرت کی بات ہے کہ ہمارے موجودہ دور میں ایک صاحبِ علم

وفکر اور صاحبِ قلم نے، جنھوں نے دین کی خدمت میں کافی مفید کام کئے ہیں اور جن کا بلاشبہ چوٹی کے اہلِ فکر علماء میں شمار ہوتا ہے، اپنی ایک کتاب میں اِن ہی بارہ الزامات و اعتراضات کو بیان کرتے ہوئے حضرت عثمانؓ پر ایسی تنقید کی ہے جس سے صریح طور پر حضرت ذُوالنّورین کی تنقیص ہوتی ہے اور حضرت موصوفؓ کے خلاف سُوئےظن پیدا ہوتا ہے۔ اِسی کتاب کے ایک باب میں حضرت عثمانؓ کے علاوہ حضرتِ معاویہؓ اور حضرت عمروؓ بن العاص پر بھی دل آزار تنقید کی گئی ہے جس سے مسلمانانِ پاک و ہند کے قلوب انتہائی مجروح ہوئے ہیں اور "اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے"۔ والا معاملہ پیش آیا ہے چنانچہ: **شَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ أَهْلِهَا** کے مصداق ایک گروہ کی طرف سے تو خوشنودی کے ڈونگرے برسائے گئے اور بغلیں بجائی گئیں اور کہا گیا کہ دیکھ لو یہ "سُنّی" بھی وہی کچھ کہہ رہے ہیں جو ہم کہتے آئے ہیں پھر سُنّی بھی کس پائے کے! وہ جو مفکّرِ اسلام اور مفسّرِ قرآن ہیں —— یہ ہماری بدقسمتی اور اعمال کی شامت ہے، ویسے اللہ تعالیٰ کی شان یہ ہے کہ وہ زندہ میں سے مُردہ اور مُردے میں سے زندہ برآمد کرتا ہے اور شرّ میں سے خیر نکال لاتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اس دل آزار کتاب کے نتیجے میں تاریخی لٹریچر میں بالخصوص بہت سی مفید کتابوں کا اضافہ ہوا۔ ہمارے ہاں تحقیق و تعمق کے کام میں جو عرصہ سے تعطل و جمود تھا، وہ ٹوٹا —— ازسرِ نَو تاریخ کو کھنگالا گیا اور اس کتاب میں حضرتِ عثمانؓ، حضرت معاویہؓ، اور حضرت عمرو بن العاص رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی پاک سیرتوں کو داغدار کرنے کی جو کوشش کی گئی تھی، اُس کا ازالہ کیا گیا۔ اسی سلسلہ کی ایک کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے جناب پروفیسر محمّد منوّر صاحب نے ماہنامہ 'میثاق' میں ایک بڑا پیارا جملہ لکھا تھا۔ وہ یہ کہ: "حضرت عثمانؓ پر لگائے ہوئے الزامات و اعتراضات کا اعادہ کرکے اپنی تنقید کی تعمیر کی بنیاد قائم کرنے والے اُن مشہور مصنّف کے نزدیک شاید حضرت علیؓ کی (نعوذ باللہ) حیثیت کرائے کے وکیل کی تھی۔ جنھوں نے غالباً فیس لے کر حضرت عثمانؓ کی مدافعت کی تھی"——

سوچنے کا مقام ہے کہ جن اعتراضات و الزامات کی صفائی کی حضرت علیؓ نے تصویب و توثیق کی ہو اور پُوری دیانت سے کی ہو چونکہ اُن کی امانت و دیانت ہمارے نزدیک مسلّم ہے تو پھر اس چودہ سو سال بعد بلوائیوں کے الزامات کا اعادہ کرنا کیا حضرت علیؓ کی بھی تنقیص نہیں ہوگی؟ کیا اس طرح اُن کی دیانت و امانت مجروح نہیں ہوگی؟ کیا اُن کی ذات پر حرف نہیں

آئے گا؟ اللہ شرورِ نفس سے بچائے تو بچائے ورنہ واقعہ یہ ہے کہ اچھے اچھے معقول لوگ کیسی کیسی ٹھوکریں کھاتے ہیں ـــــ یہ اسی کتاب کی تنقیدوں کا شاخسانہ ہے کہ اِس سے متاثر ہو کر کتنے ہی ہمارے مخلص سُنّی بھائی حضرت عثمانؓ سے سُوئے ظن میں مبتلا ہو گئے ہیں اور کتنے ہی ہیں جو حضرت امیر معاویہؓ اور فاتحِ مصر حضرت عمروؓ بن العاص کے نام ادب سے نہیں لے سکتے بلکہ ان کی شان میں گستاخانہ اسلوب اختیار کرتے ہیں۔ ذہنوں کو اتنا مسموم کر دیا گیا ہے کہ خود سُنّیوں کے ایک گروہ میں چاہے وہ تعداد کے لحاظ سے قلیل ہی کیوں نہ ہو، اِن تینوں جلیل القدر صحابہؓ کے علاوہ بہت سے صحابہؓ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے خلاف سُوئے ظن پیدا ہو گیا ہے۔ جن میں اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ ہی نہیں حواریِ رسولؐ حضرت زبیرؓ بن العوام اور حضرت طلحہؓ (اصحابِ عشرۂ مبشرہ) بھی شامل ہیں۔

ایک اُصولی بات

اس موقع پر یہ بات اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ اگر کوئی شخص صحابۂ کرامؓ اور بالخصوص خلفائے راشدین اور عشرۂ مُبشّرہ، اصحاب بدر، اور اصحابِ بیعتِ رضوان (بیعتِ حدیبیہ) پر تنقید کرتا ہے اُن کی تنقیص کرتا ہے، اُن پر زبانِ طعن دراز کرتا ہے اور اُن کا ادب و احترام نہیں کرتا تو معاملہ اس حد تک محدود نہیں رہتا بلکہ خالص علمی تجزیہ کیا جائے تو اس کی زد میں سرورِ عالم محبوبِ خُدا، خاتم النبیّین و المرسلین کی ذاتِ گرامی بھی آجاتی ہے ـــــ کسی تربیت یافتہ اور کسی شاگرد میں کوئی کمی یا نقص ہو یا کوئی تقصیر ہو تو مُربّی، مُعلّم اور اُستاد اس سے بالکل بری نہیں ہو سکتا وہ بھی کسی نہ کسی درجہ میں ذمّہ دار قرار پاتا ہے اسی بات کو حضورؐ کی اس حدیث میں واضح کیا گیا ہے:

اَللّٰہَ، اَللّٰہَ فی اصحابی، لَا تتخذوھم غرضًا بعدی، فمن اَحبّھم فبحبی اَحبّھم، ومن اَبغضھم فببغضی اَبغضھم، ومن اٰذاھم فقد اٰذانی ومن اٰذانی فقد اٰذی اللّٰہ، ومن اٰذی اللّٰہ فیوشک اَن یأخذہ۔

"میرے صحابہؓ کے بارے میں اللہ سے ڈرو، اُن کو میرے بعد نشانہ نہ بناؤ، پس جس شخص نے اُن کو محبوب جانا تو میری محبت کی وجہ سے محبوب جانا اور جس شخص نے اُن کے ساتھ بغض رکھا تو میرے ساتھ بغض کی وجہ سے اُن کے ساتھ بغض رکھا اور جس شخص نے اُن کو تکلیف دی اُس نے مجھے تکلیف دی، اور جس نے مجھے تکلیف

دی اس نے اللہ کو تکلیف دی اور جس نے اللہ کو تکلیف دی تو عنقریب وہ (اس جرم میں) پکڑا جائے گا۔"

❖ یہ وہ حدیث ہے جو تقریباً ہر خطبۂ جمعہ میں ہمارے خطباء سناتے ہیں ❖

شہادتِ عثمانؓ کا تاریخی پس منظر!

میں چاہتا ہوں کہ گفتگو ختم کرنے سے پہلے چند اصولی باتیں شہید مظلومؓ کی شہادت کے ضمن میں اختصار سے تاریخی پس منظر اور اسباب و علل سے متعلق بھی بیان کر دوں جن کے نتیجہ میں یہ سانحۂ فاجعہ ظہور پذیر ہوا ـــــ میں نے پہلے عرض کیا تھا کہ ہر واقعہ کے کچھ ظاہری اسباب ہوتے ہیں اور کچھ باطنی اور مخفی اسباب ہوتے ہیں اور در اصل مؤثر کردار یہ باطنی و مخفی اسباب ہی ادا کرتے ہیں۔ لیکن چونکہ عام طور پر ظاہری اسباب نظروں کے سامنے ہوتے ہیں لہٰذا ان مخفی اسباب کی طرف توجہ بہت کم مبذول ہوتی ہے بلکہ وہ نظر ہی نہیں آتے ـــــ آپ تاریخی اعتبار سے اس پر غور کیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جو کامیابی فرمایا اور غلبہ عنایت کیا! اور نبی اکرمؐ کے مشن: هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ کی جزیرہ نمائے عرب کی حد تک میں تکمیل ہو گئی اور آپ کی وفات کے بعد آپ کے مشن اور اسلام کے پیغام کو لے کر صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین باہر نکلے تو جو لوگ مفتوح ہوئے اور جن لوگوں نے شکست کھائی، غور کیجئے کہ وہ کون کون لوگ تھے؟ یہ دو بڑے بڑے گروہ تھے، پہلا وہ جس نے مذہبی طور پر شکست اور دوسرا وہ جس نے سیاسی طور پر شکست کھائی ـــــ پہلے مذہبی گروہ میں سے مشرکینِ عرب کا بتیا پانچا کر دیا گیا۔ اُن کے حق میں تو سورۂ توبہ کی وہ آیات نازل ہو گئیں کہ ان مشرکوں کو چار مہینے کی مہلت ہے۔ اگر اُس کے اندر یہ ایمان لے آئیں تو اس سرزمین میں رہ سکتے ہیں اور مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ اگر اس چار ماہ کی مہلت سے یہ مشرکین فائدہ نہ اٹھائیں، نہ ایمان لے آئیں نہ ترکِ وطن کریں تو تم اُن کو جہاں بھی پاؤ قتل کرو ـــــ فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَخُذُوْهُمْ وَاحْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ط

اِن آیات نے فیصلہ کر دیا کہ مشرکینِ عرب کے ساتھ کوئی رو رعایت نہیں ہو گی، کوئی نرمی کا معاملہ نہیں ہو گا۔ اب شرک پر ڈٹے رہنے کے سبب سے اُن کو تہہِ تیغ کر دیا جائے گا اور اُن پر عذابِ استیصال کی سُنّت اللہ پوری ہو گی جو اِن قوموں کے لیے مقرر رہے جن کی

طرف رسول براہِ راست مبعوث کیے جاتے ہیں۔ اور حضورؐ اُن ہی میں سے اُٹھائے گئے اور اور حضورؐ کی دعوت کے اوّلین مخاطب یہی لوگ تھے ـــــ لیکن یہود و نصاریٰ کو ایک رخصت دی گئی کہ تم اپنے دین پر قائم رہ سکتے ہو۔ البتہ چھوٹا بن کر اور مغلوب ہو کر رہنا ہوگا، اور جزیہ ادا کرنا ہوگا: وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ـــــ یہ رعایت تھی جو اہلِ کتاب کے ساتھ اسلام نے کی۔ اسی رعایت سے اہلِ کتاب بالخصوص یہود نے غلط فائدہ اُٹھایا۔ اُن میں جوشِ انتقام پہلے ہی سے موجود تھا، اُن کی مذہبی سیادت ختم ہو چکی تھی۔ اُن کے نام نہاد تقویٰ کا بھرم کھل چکا تھا۔ اُن کی حیثیت عرب میں بالکلیہ مغلوب اور ذمّی کی ہو گئی تھی، جس پر جزیہ کی ادائیگی اُن کے لیے بڑی شاق تھی ـــــ اہلِ کتاب کے ساتھ قرآن مجید میں جو معاملہ کیا گیا ہے، اُس کے بھی دو رُخ ہیں۔ قرآن حکیم کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جو نصاریٰ عہدِ نبوّت میں جزیرہ نما عرب میں تھے، اُن کی کہیں کہیں قرآن نے تعریف و توصیف بھی کی ہے۔ اُن میں خدا ترس لوگ موجود تھے، اُن میں قبولِ حق کی استعداد بھی موجود تھی۔ پھر نبی اکرمؐ کی حیاتِ طیبہ میں نصاریٰ سے کوئی مسلح تصادم اور معرکہ بھی پیش نہیں آیا۔ جبکہ یہود کا معاملہ اس کے برعکس ہے۔ اُن پر قرآن میں تنقیدیں بھی بڑی شدید ہیں۔ سورۂ بقرہ کے دس رکوعات میں (چوتھے رکوع سے چودھویں رکوع تک) مسلسل قرار دادِ جرم ہے جو یہودیوں پر عائد کی گئی ہے۔ پھر اُن کے تین قبیلوں کو مدینہ سے نکالا گیا۔ ایک قبیلے کی تعدّی و سرکشی کی وجہ سے خود اُن کے مقرر کردہ حَکَم کے فیصلے کے مطابق تمام مردوں کو قتل بھی کیا گیا۔ مدینہ میں واقع اُن کے تینوں مضبوط گڑھ ختم ہو گئے۔ پھر خیبر جو اُن کا مضبوط ترین گڑھ تھا، جہاں مستحکم قلعہ بندیاں تھیں، اور جہاں مدینہ سے نکلے ہوئے تمام یہودی جمع تھے اور ہر طرح کیل کانٹے سے لیس ـــــ وہ بھی مسلمانوں کے ہاتھوں فتح ہوا، لہٰذا سب سے زیادہ زخم خوردہ یہود تھے ـــــ عیسائی بھی زخم خوردہ تھے لیکن اُن کا معاملہ اتنا شدید نہیں تھا، جتنا یہودیوں کا تھا۔ لہٰذا انتقام کے لیے سب سے پہلے یہودیوں نے ریشہ دوانیاں اور سازشیں کیں اور یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ جتنا عظیم سازشی ذہن اس قوم کا ہے اور اس میں اُس کو جو مہارتِ تامّہ حاصل ہے، اُس کا کوئی دوسری قوم مقابلہ نہیں کر سکتی ـــــ ہندوؤں کے بارے میں جو یہ کہا جاتا ہے کہ یہ قوم بھی بڑا سازشی ذہن رکھتی ہے، تو جدید تحقیق یہ ہے کہ ہندو قوم بھی نسلی اعتبار سے یہودی ہے اور یہ قوم یہود

کے گم شدہ قبائل (LOST TRIBES OF ISRAEL) سے تعلق رکھتی ہے لہٰذا یہود و ہنود میں جہاں قافیے ایک ہیں وہاں مزاجی کیفیت میں بھی بڑی یکسانیت ہے۔ یہ یہودی سازشی ذہن ہی کا شاخسانہ ہے کہ حضرت مسیح علیہ السّلام کی دعوتِ توحید کے چشمۂ صافی میں عریاں ترین اور سب سے زیادہ گھناؤنا شرک شامل کر دیا گیا اور پوری اُمّتِ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کو بدترین شرک میں مبتلا کر دیا گیا۔ یعنی حضرت مسیحؑ کو باقاعدہ اللّٰہ کا صُلبی بیٹا قرار دے دیا گیا اور اُن کو اُلوہیت میں شریک ٹھہرایا گیا پھر روح القدس کو جس سے بعض فرقوں کے نزدیک حضرت جبریلؑ مراد ہیں اور بعض کے نزدیک حضرت مریم، اقانیم ثلاثہ میں شامل کر کے اس طرح تثلیث کا عقیدہ گھڑا گیا۔ یہ کام اُس انتہائی متعصّب یہودی نے انجام دیا جو کہ سینٹ پال کے نام سے مشہور و معروف ہے لیکن جسے دراصل شیطان پال کہنا مناسب ہوگا۔ اس نے بظاہر عیسائیت قبول کی اور پھر دینِ عیسوی کے بخیے ادھیڑ دیئے ____ اسی سازشی ذہن کا کامل پیکر تھا یمن کا ایک یہودی، عبداللّٰہ بن سبا، جو بظاہر مسلمان ہوا اور جس نے مسلمانوں میں شامل ہو کر سازشی ریشہ دوانیاں شروع کیں اور اہلِ بیت کی محبّت کا جھوٹا لیکن دلفریب لبادہ اوڑھ کر مفتوحہ علاقوں کے نومسلموں میں اپنے کارکنوں کے ذریعہ حضرت عثمانؓ کے خلاف مہم شروع کر دی اور ان سیدھے سادے نومسلم عوام کی عقیدتوں کا رخ شخصیت پرستی کی طرف موڑ دیا ____ اب سیاسی اعتبار سے دیکھئے، اسلام کو جب عروج ہوا تو دنیا میں دو عظیم مملکتیں تھیں۔ ایک سلطنتِ رُوما، جس کا کچھ ذکر میں کر چکا ہوں کہ یہ رومن ایمپائر تین برِّاعظموں تک وسیع تھی۔ یورپ کے اکثر ممالک، مغربی ایشیا کے چند علاقے اور شمالی افریقہ کے تقریباً تمام ممالک قیصرِ رُوم کے زیرِ نگیں یا باج گزار تھے ____ دوسری سلطنتِ کسریٰ یعنی ایران۔ خلافتِ راشدہ خصوصاً دَورِ فاروقی میں سلطنتِ کسریٰ کی تو دھجیاں اُڑ گئیں۔ اس کا تو وجود ہی صفحۂ گیتی سے محو ہو گیا۔ یہ نتیجہ تھا اُس گستاخی کا جو خسرو پرویز نے نبی اکرم صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم کے نامۂ مبارک کے ساتھ کی تھی، جس کے ذریعہ اس کو اسلام کی دعوت دی گئی تھی۔ حضورؐ نے تو اُسی وقت فرما دیا تھا کہ کسریٰ نے میرا نامہ چاک نہیں کیا بلکہ اپنی سلطنت کے پرخچے اُڑا دیئے۔ اس گستاخی کی نقد سزا تو یہ ملی کہ اسی وقت سے ایران میں محلّاتی سازشوں نے سر اُٹھایا، خسرو پرویز قتل ہوا اور یکے بعد دیگرے مختلف افراد تختِ کسریٰ پر متمکن ہوئے ____ لیکن سلطنتِ رُوما کی تو صرف ایک ٹانگ

ٹوٹی۔ اس کے صرف مغربی ایشیا کے مقبوضات اور شمالی افریقہ میں سے صرف مصر حضرت عمر فاروقؓ کے دور میں اسلام کے پرچم تلے آئے۔ یورپ کے جو ممالک قیصرِ روم کے قبضے میں تھے اور زیرِ اثر تھے وہ جوں کے توں باقی رہے اور سلطنتِ رُوما کی سطوت کافی بڑی حد تک باقی رہی۔ شمالی افریقہ کے دوسرے مقبوضات دورِ عثمانی میں اسلامی مملکت کے زیرِ نگیں آئے لیکن جیسا کہ مَیں نے ابھی عرض کیا کہ سلطنتِ کسریٰ کی تو دورِ فاروقی میں دھجیاں اڑ گئیں اس کا تو وجود ہی نہیں رہا ـــــ لہٰذا جہاں تک انتقام کا معاملہ ہے تو وہ سب سے زیادہ شدید ایرانیوں کے اندر تھا۔ یہ بھی اس موقع پر سمجھ لیجئے کہ حضرت عمرؓ سے اُن کو اتنا بغض کیوں ہے؟ چوں کہ آج اس ملک میں جیسے دوسرے اہلِ بیت کے اکابر کے مقبروں کی شبیہیں اور تصویریں بطورِ تقدیس چھپتی اور گھروں میں لگائی جاتی ہیں، اسی طرح ابولؤلؤ فیروز مجوسی کی قبر کی شبیہیں اور تصویریں فروخت ہوتی ہیں جو حضرت عمر فاروقؓ جیسی جلیل القدر شخصیت، خلیفۂ راشد اور امیر المؤمنین کا قاتل تھا اور ستم بالائے ستم یہ کہ ان کے نیچے یہ عبارت لکھی ہوتی ہے کہ: "قبر مبارک حضرت ابولؤلؤ فیروز" انا للہ وانا الیہ راجعون ـــــ اِس میں کوئی شبہ نہیں کہ اِس وقت اس ملک سے ہمارے دوستانہ تعلقات ہیں وہ ہمارا دوست اور حلیف ہے، یہ بات اپنی جگہ، ہم اس کی قدر کرتے ہیں لیکن دینی و اعتقادی اعتبار سے جو بات صحیح نہیں اُس کے اظہار میں باک نہیں ہونا چاہیئے ـــــ یہ ابولؤلؤ فیروز کی قبر کی تقدیس اور اُس کے نام کی توقیر کیوں؟ اس لیے کہ اُس نے چراغ بجھایا تھا حضرت عمر فاروقؓ کا، جو حقیقی فاتح تھے ایران کے ـــــ اب آپ غور کیجئے کہ دو طرفہ سازشیں شروع ہوئیں، ایک یہودیوں کی طرف سے جو مذہبی سیادت کے لحاظ سے زخم خوردہ تھے اور دوسری اُن مجوسیوں کی طرف سے، جو چاہے بظاہر مسلمان ہو گئے ہوں لیکن جو سلطنتِ کسریٰ کے پرخچے اُڑ جانے کی وجہ سے شکست خوردہ تھے اور آتشِ انتقام میں جل رہے تھے، نتیجۃً مذہبی اعتبار سے انتقام کے سب سے زیادہ شدید جذبات تھے یہودیوں میں، اور سیاسی اعتبار سے سب سے زیادہ انتقام کے جذبات تھے ایرانیوں میں ـــــ یہ دونوں ہی چاہتے تھے کہ اللہ کے دین کے چراغوں کو اپنی ریشہ دوانیوں، سازشوں اور افواہوں سے بجھا دیں۔

اِس انتقام کی پہلی کڑی تھی حضرت عمرؓ فاروق کی شہادت۔ لیکن جب اس میں ناکامی ہو گئی اور حضرت عثمانؓ نے تختِ خلافت پر متمکن ہونے کے بعد حالات پر پوری طرح قابو پا لیا بلکہ

داخلی امن و امان اور استحکام کے ساتھ ساتھ تمام شورشیں اور بغاوتیں نہ صرف فرو کر دیں بلکہ فتوحات کا دائرہ وسیع تر ہونے لگا تو اب یہودی سازشی ذہن اور آگے بڑھا اور اپنی کارروائیاں اُس نے خفیہ خفیہ تیز تر کر دیں۔ جن کی داغ بیل عبداللہ بن سبا، دورِ صدیقی ہی میں ڈال چکا تھا۔ اس سازشی کام کے لیے ایران کی سرزمین اس کو سب سے زیادہ سازگار نظر آئی یہاں وہ عنصر بھی اچھی خاصی تعداد میں موجود تھا جو بظاہر مسلمان لیکن ذہناً مجوسی اور شاہ پرست تھا اور انتقام کی آگ میں جل رہا تھا اور وہ سیدھے سادے عوام بھی موجود تھے جن کی گھٹی میں شخصیت پرستی اور ہیرو ورشپ (HERO WORSHIP) پڑی ہوئی تھی اور جو ہر بڑے اور ہر مقدس شخص کے اہلِ بیت کو بھی بڑا اور مقدس سمجھنے کے صدیوں سے خوگر تھے ——— حقیقت یہ ہے کہ عبداللہ بن سبا کی سازش پال کی سازش سے کم نہیں تھی۔ لیکن اسلام اللہ کا آخری دین ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی و رسول ہیں۔ قرآن مجید اللہ کی آخری کتابِ ہدایت ہے، اس کو اللہ نے محفوظ رکھنے کی خود ذمہ داری لی ہوئی ہے :- وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ کا اٹل فیصلہ کیا جا چکا تھا، اور : اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ کا اٹل ضابطہ طے ہو چکا تھا۔ حضرت مسیحؑ کی شخصیت کو مسخ کیا گیا اور دین کا حلیہ بگاڑ دیا گیا تو قرآن نے آکر تصحیح کر دی، دین حق مبرہن ہو گیا۔ اگر حضورؐ کی شخصیت کو اور آپؐ کے لائے ہوئے دین کو مسخ کر دیا جاتا تو پھر کون تھا جو اُس کی تصحیح کرتا۔ چونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، خاتم النبیین اور ختم المرسلین ہیں۔ لہٰذا حضورؐ کی شخصیت، دینِ اسلام اور قرآن مجید کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے خصوصی تحفظ عطا ہوا، اور اُمّتِ مسلمہ کو یہ فضیلت بھی عطا ہوئی کہ اُمّت کے علمائے حق کا مقام حضورؐ کے ارشادِ گرامی کے مطابق انبیائے بنی اسرائیل کے مطابق قرار پایا۔ نیز حضورؐ نے یہ خوشخبری بھی سنائی کہ میری اُمّت کا ایک گروہ ہر دور میں حق پر قائم رہے گا۔ لہٰذا یہ سازش بالکلیہ کامیاب نہیں ہوئی اور نہ ہو سکتی تھی لیکن اس سازش کے وہ گندے اور نحس انڈے بچے تھے جن کے ہاتھوں عثمانِ غنیؓ شہید ہوئے اور پورا دورِ علوی فتنہ و فساد اور خانہ جنگی کی نذر ہو گیا۔ بڑے بڑے اکابر صحابہؓ دنگ ہو کر رہ گئے اور دورِ علوی میں چوراسی ہزار (۸۴۰۰۰) مسلمان ایک دوسرے کے ہاتھوں شہید ہوئے ——— یہ خمیازہ تھا حضرت عثمانؓ کی مظلومانہ شہادت کا۔ جب کسی حقیقی بندۂ مومن کو ستایا جاتا ہے جب کسی مومنِ صادق کو ظلم و ستم کا نشانہ بنایا جاتا ہے، جب کسی اللہ والے کے دل کو دکھایا

دُنیا کا ستم رسیدہ یتیم

از:- پروفیسر محمد حسین آزاد پائن ہلز کالج، کوہ مری

عمومی اصطلاح میں یتیم اُس نابالغ لڑکے یا لڑکی کو کہا جاتا ہے جس کا والد یا والدین فوت ہو چکے ہوں، اور یہ اُس وقت تک یتیم کے حکم میں رہتا ہے جب تک کہ بالغ ہو کر عقل و شعور حاصل نہ کرے۔ اِس ترقی یافتہ روشنی کے دَور میں بھی یتیم اُسی طرح بے کس و بے بس ہے جس طرح آج سے ہزاروں سال پہلے تھا۔ حقوقِ نسواں اور انسانی فلاح و بہبود کے لیے یُوں تو ہر طرف غُلغلہ برپا ہے لیکن یتیم کے سلسلے میں نہ تو کبھی یورپ کے دانشوروں نے سوچا ہے اور نہ ہی مشرق کے اہلِ درد نے اُس کی ٹیس کبھی محسوس کی ہے۔

اِس ملک کی تقریباً ساڑھے چھ کروڑ کی آبادی میں ہزاروں کی تعداد میں ایسے بچے موجود ہیں جو والدین کے سایۂ عاطفت سے محروم ہو چکے ہیں۔ اُن میں سے بے شمار بچے ہوٹلوں اور ریستورانوں میں دو وقت کی روٹی کے عوض اپنی معصومیت کو بھینٹ چڑھا چکے ہیں۔ ایک اور تعداد ننگے پاؤں، ننگے بدن، دیہات میں بھیڑ بکریوں کی گلّہ بانی کرتی نظر آتی ہے۔ یہ ہزارہا بچے تعلیم سے بے بہرہ، اخلاق سے عاری اور زندگی کے تمام حقوق سے محروم ہیں۔ نہ کوئی اُن کی خوشی میں شریک ہونے والا اور نہ اُن کے غم میں کوئی رونے والا۔ یتیم کی پرورش و تربیت کرنا دراصل اُس معاشرہ کی ذمہ داری ہے جس کا یہ فرد ہے۔ کسی بھی معاشرہ کو اُس وقت تک فلاحی معاشرہ نہیں کہا جا سکتا جب تک کہ اُس میں یتیم جیسی بے کس مخلوق کی دیکھ بھال نہ کی جاتی ہو۔

کوہِ فاران کی چوٹیوں سے طلوع ہونے والے اسلام کے درخشندہ سُورج نے یتیم کی صدیوں کی تاریکی کو درخشندگی اور تابندگی میں بدل دیا۔ طلوعِ اسلام سے قبل عرب میں جہاں اور بے شمار اخلاقی اور سماجی کمزوریاں تھیں، وہاں یتیم پر بھی اُن کا دستِ ستم ہمیشہ دراز رہتا تھا۔ وہ جب کسی بچے یا بچی کو صاحبِ جائیداد دیکھتے تو بڑی خوشامد درآمد سے اُن کی کفالت و حفاظت کی ذمہ داری لے لیتے تھے اور جب یتیموں کے مال پر قابض

ہو جاتے تو دھکے دے کر یتیموں کو باہر نکال دیتے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کی اِس رَوِش کو سخت ناپسند فرمایا اور واضح ہدایات کے ذریعہ یتیموں کے معاشرتی و معاشی حقوق کو محفوظ فرمایا خدا تعالیٰ کے آخری نبی اور دُنیا کے سب سے بڑے قائد و مصلح حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلّم یتیموں کے سرتاج ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے کہ : اَلَمْ یَجِدْكَ یَتِیْمًا فَاٰوٰی (قرآن) (کیا آپؐ کو یتیم نہیں پایا کہ (اللہ تعالیٰ نے) آپؐ کو پناہ عطا فرمائی) وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ط (قرآن) : "اور ہم نے آپؐ کے ذکر کو بُلند سے بُلند تر کر دیا" کون نہیں جانتا کہ خُدا کے پیارے رسولؐ کو ایک نہیں بلکہ تین قسم کی یتیمیوں سے پالا پڑا۔ ابھی دنیا میں تشریف لائے نہیں تھے کہ والد خُدا کو پیارے ہو گئے۔ عمر بمشکل چھ سال کی تھی کہ والدہ ماجدہ کی ممتا سے محروم ہو گئے۔ یہ ننّھا کھیل کُود کی عمر سے ذرا آگے بڑھا تھا کہ مہربان دادا کا سایہ سر سے اُٹھ گیا، مگر کیا مجال جو کبھی حرفِ شکایت زبان پر آیا ہو۔ اِس کے برعکس جب یہ یتیم دُنیا کا فاتح اور قائد بن گیا اور سونے، چاندی کے ڈھیر اُس کے قدموں کو چھُونے لگے تو اُس نے اعلان فرمایا : اَنَا وَلِیُّ مَنْ لَّا وَلِیَّ لَهٗ ط (یعنی جس کا کوئی وارث نہیں اُس کا میں (محمدؐ) وارث ہوں)"

یتیم اور قرآن پاک

یتیم کی اصلاح و بہبود اُمّتِ مُسلِمَہ کی مشترکہ ذِمّہ داری ہے :۔

سورۂ بقرہ میں ارشاد ہوتا ہے : (ترجمہ) "اور وہ تم سے یتیموں کے معاملے میں سوال کرتے ہیں، کہہ دو کہ جس میں اُن کی بہبود ہو وہی بہتر ہے" (۲۲۰/۲) یتامیٰ کی فلاح و بہبود کے سلسلے میں یہ آیت مرکزی حیثیت کی حامل ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے جو معاشرہ قائم کیا تھا وہ اپنے تقویٰ اور عدل و انصاف کے اعتبار سے تمام انسانیت کے لیے ایک مثالی حیثیت رکھتا ہے۔ فکرِ آخرت اُن پر اس قدر غالب تھا کہ وہ ہر لمحہ اپنے نبی سے عذاب و ثواب سے تعلق رکھنے والے مسائل کُرید کُرید کر معلوم کرتے نظر آتے ہیں۔ یتیم کے سلسلے میں بھی اُن کو یہ فکر دامن گیر تھی کہ اگر اُن کو اپنے ساتھ شامل کر کے رکھتے تو اُن کے اموال میں حق تلفی کا خوف تھا اور اگر اُن کو الگ رکھتے تو اُن کی حفاظت مشکل ہو جاتی تھی۔ آخر انہوں نے نبی کریمؐ سے سوال کیا، قرآنِ پاک نے جواب دیا کہ تم اُن کو اپنے ساتھ رکھو یا اُن کو الگ رکھو مقصد صرف یتامیٰ کی بھلائی ہونا چاہیئے۔ پھر ارشاد فرمایا کہ یہ تمہارے ہی بھائی بند ہیں اور یہ محض خدا کا فضل

ہے کہ اُس نے تمہیں کسی مصیبت میں مبتلا نہیں کیا

یتیم کو بلا وجہ ستانا دراصل قیامت کو جھٹلانے کے مترادف ہے

(ترجمہ) کیا تو نے اُس شخص کو دیکھا جو قیامت کو جھٹلاتا ہے، سو یہ وہی ہے جو یتیم کو دھکّے دیتا ہے" (الماعون)

اس آیت کے پس منظر میں بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ ابوجہل کی عادت تھی کہ جب قریش یا کسی اور قبلیہ کا دولت مند آدمی قریب المرگ ہوتا تو یہ اُس کے پاس پہنچ جاتا اور اپنے آپ کو دیانتدار کہہ کر مرنے والے سے اُس کے بچّوں کی کفالت کا ذمّہ لے لیتا۔ اور جب یتیم کے مال پہ قابض ہو جاتا تو اُسے دھکّے دے کر باہر نکال دیتا۔

یتیم کا پاسبان جس نے ابوجہل کا غرور خاک میں ملا دیا!!

چنانچہ ایسا ہی ایک یتیم، ننگے بدن ننگے پاؤں ابوجہل کے پاس آیا۔ اُس نے التجا کی کہ اُس کے باپ کے چھوڑے ہوئے مال میں سے وہ اُسے کچھ دے دے۔ مگر اُس ظالم نے اُس کی طرف کوئی توجہ نہیں کی (بلکہ اُسے ڈانٹ ڈپٹ کر کے بھگا دیا) وہ بچہ مایوس ہو کر لوٹ آیا۔ قریش کے سرداروں نے ازراہِ شرارت اُس بچّے سے کہا کہ محمدؐ کے پاس جا کر شکایت کرو وہ ابوجہل سے سفارش کر کے تیرا مال دلوا دیں گے۔ اُس معصوم کو کیا پتہ تھا کہ ——— ——— ابوجہل کا حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم سے کیا تعلق ہے، وہ سیدھا نبی کریمؐ کے پاس پہنچا اور اپنا مقصد بیان کیا۔ آپؐ اُسی وقت اُٹھ کھڑے ہوئے اور اُس بچّے کو لے کر اپنے بد ترین دشمن ابوجہل کے پاس تشریف لے گئے۔ آپؐ کو دیکھ کر ابوجہل نے آپؐ کا استقبال کیا، آپؐ نے فرمایا، اِس بچّے کا مال اِسے دے دو، تو فوراً مان گیا اور اُس کا مال لا کر اُس کے حوالے کر دیا۔ قریش نے جب یہ ماجرا دیکھا تو حیران ہو کر ابوجہل کے پاس آئے اور اُسے طعنہ دیا کہ تم نے بھی اپنا دین چھوڑ دیا ہے؟ ابوجہل نے کہا، خدا کی قسم! مجھے ایسا محسوس ہوا کہ: محمدؐ (صلّی اللہ علیہ وسلّم) کے دائیں بائیں ایک ایک خنجر ہے اور اگر میں نے ذرا بھی اُن کے حکم کے خلاف حرکت کی تو یہ خنجر میرے اندر گھس جائیں گے۔" (تفہیم القرآن) مذکورہ آیات کا پس منظر ابوجہل ہو یا کوئی اور، یہ بات واضح کرتا ہے کہ جو شخص بھی اپنی سنگ دلی سے یتیموں کو بلا وجہ ڈانٹ ڈپٹ کرتا ہے وہ دراصل اللہ تعالیٰ

کے انصاف کا منکر ہے، جس کے تحت وہ قیامت کے دن ایسی مظلوم مخلوق کی حق رسی فرمائیں گے۔

یتیم کا اکرام نہ کرنا قیامت کے دن سب سے بڑے پچھتاوے کا موجب ہوگا

(ترجمہ) "ہرگز نہیں، بلکہ تم یتیم کی عزت نہیں کرتے اور نہ فقیر کو کھانا کھلانے کی رغبت دلاتے ہو، اور تم میراث کو پے در پے کھاتے ہو اور تم مال سے بے پناہ لگاؤ رکھتے ہو۔" (سورۃ الفجر)

یتیموں کی دیوار جسے حضرت موسیٰؑ اور خضرؑ نے مرمّت کیا!!

(ترجمہ) "اور جو دیوار تھی، تو وہ شہر کے دو یتیموں کی تھی، اور اُس کے نیچے ان دونوں کا خزانہ تھا، اور اُن کا باپ ایک نیک آدمی تھا، سو تیرے رب نے چاہا کہ وہ اپنی قوت کو پہنچیں اور اپنا خزانہ نکال لیں۔ یہ تیرے رب کی رحمت کا تقاضا ہے۔" (سورۃ الکہف) تشریح :- حضرت موسیٰؑ اور حضرت خضرؑ ایک علمی سفر پر روانہ ہوئے تو ایک بستی میں پہنچے۔ خدا کے یہ دونوں مسافر بھوکے پیاسے تھے۔ بستی والوں سے کھانے کی درخواست کی لیکن اُن سیاہ بختوں نے کھانا تک دینے سے صاف انکار کر دیا۔ چلتے ہوئے بستی میں ایک دیوار دیکھی جو گرا چاہتی تھی۔ ان حضرات نے یہ دیوار مرمّت کر دی۔ حضرت موسیٰؑ نے بگڑ کر کہا کہ ان لوگوں نے تو ہمیں کھانا تک دینے سے انکار کر دیا اور آپ ہیں کہ ان کی دیواریں مرمّت کرتے پھر رہے ہیں! حضرت خضرؑ نے اس دیوار کی حقیقت سے آگاہ کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ دیوار اصل میں دو یتیم بچّوں کی ہے۔ اُن کے والد ایک صالح آدمی تھے۔ اِس دیوار کے نیچے اُن کا خزانہ ہے، اگر اِس دیوار کی ہم مرمّت نہ کرتے تو یہ گر جاتی اور بستی کے ظالم لوگ یہ خزانہ نکال لیتے۔ یہ محض خدا کی رحمت کا تقاضا ہے کہ اُس نے یتیموں پر شفقت فرمائی ہے۔

تعدّدِ ازواج کی عظیم رعایت اور خواتین کے حقوق کا تحفّظ دراصل یتیم کے طفیل ہے!

(ترجمہ) اگر تمھیں اندیشہ ہو کہ تم یتیموں کے معاملے میں انصاف نہ کر سکو گے تو عورتوں میں سے جو تمھیں پسند ہوں، دو دو۔ تین تین، چار چار تک نکاح کر لو۔ اور اگر تمھیں ڈر ہو کہ اُن کے درمیان انصاف نہ کر سکو گے تو ایک ہی پر اکتفا کرو (النساء) آیتِ کریمہ کی رُو

سے یتامیٰ کا عظیم احسان ہے کہ اُن کی وجہ سے تعدّدِ ازواج جیسی عظیم سہولت حاصل ہو گئی، جو اور کسی ملّت کو نصیب نہیں ہے۔ ایک اور احسان بالخصوص عورتوں پر ہوا کہ ازدواجی زندگی میں اُن کے ساتھ عدل و انصاف لازمی قرار دیا گیا۔

یتامیٰ کے حقوق کے تحفّظ نے دوسروں کے حقوق بھی محفوظ کر دیئے!

قرآنِ پاک میں ارشاد ہونے والی میراث کی آیات و احکام دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ورثہ کا عظیم قانون یتیموں ہی کے طفیل اُمّتِ مسلمہ کو حاصل ہوا ہے۔ یعنی کل تک جو خود حقوق سے محروم تھے، نہ صرف یہ کہ اُن کو حقوق حاصل ہو گئے بلکہ اُن کی وجہ سے دوسروں کے حقوق بھی محفوظ ہو گئے۔ خاص کر عورتوں کا ذکر اس طرح آیا ہے کہ گویا پہلی بار اُن کو مردوں کے پہلو بہ پہلو حق کی صف میں جگہ ملی اور اس طرح جو عورت صدیوں پہلے مظلوم چلی آرہی تھی، اُسے عزّت و عظمت کا مقام حاصل ہوا اور یتیم جس کا کوئی پُرسانِ حال نہیں تھا، کو احترام و اکرام سے نوازا گیا۔

یتیموں کے بارے میں قرآنِ پاک کا پُرتاثیر اِرشاد

(ترجمہ) "اور ان لوگوں کو (یتیم کے معاملے میں) ڈرنا چاہیئے کہ اگر یہ اپنے پیچھے ناتواں بچے چھوڑ جاتے تو اُن کے معاملے میں بہت فکرمند ہوتے، سو انہیں چاہیئے کہ اللہ سے ڈریں اور سیدھی بات زبان سے نکالیں۔ یعنی یتیموں کے ساتھ ایسا سلوک کرو جو تم خود اپنی اولاد کے لیے پسند کرتے ہو" (۴/۹) اور تصوّر کرو کہ خدانخواستہ اگر کل کو تمہیں موت آگھیرے اور تمہاری موت کے باعث تمہارے کمزور و ناتواں یتیم بچّوں کی صف میں آکھڑے ہوں، اور اُن کو کوئی ظلم کا نشانہ بنائے تو تمہیں کس قدر پریشانی کا سامنا کرنا پڑے۔

ظلم و زیادتی سے یتیم کا مال کھانا اپنے پیٹ میں انگارے بھرنا ہے

(ترجمہ): "جو لوگ ظلم و زیادتی سے یتیموں کا مال کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں آگ کے انگارے بھر رہے ہیں، اور دوزخ کی بھڑکتی ہوئی آگ میں پڑیں گے" (۴/۱۰) اِس آیت کے پس منظر میں لکھا ہے کہ جنگِ اُحد کے بعد حضرت سعد بن ربیع (شہیدؓ) کی زوجۂ محترمہ اپنی دو یتیم بچیوں

کو اُٹھائے ہوئے نبی کریمؐ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! یہ سعدؓ کی بچیاں ہیں، جو آپؐ کے جھنڈے تلے لڑتے ہوئے غزوۂ اُحد میں شہید ہو چکے ہیں۔ اِن بچیوں کے چچا نے اُن کی پوری جائیداد پر قبضہ کر لیا اور اِن کے لیے ایک حبّہ تک نہیں چھوڑا۔ اب بھلا اِن بچیوں سے کون نکاح کرے گا، اس پر قرآن مجید کی مذکورہ بالا آیت نازل ہوئی۔

یتیم اور نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم

مُسلم آبادی کا بہترین اور بدترین گھر:-

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کا ارشادِ گرامی ہے (ترجمہ): "مسلم آبادی میں بہترین گھر وہ ہے جس میں کسی یتیم سے بُرا سلوک کیا جاتا ہو" (الحدیث ابنِ ماجہ) اس حدیث کی رُو سے کسی اچھے یا بُرے معاشرہ کو بھی پرکھا جا سکتا ہے۔ کو مملکت فلاحی سلطنت ہو ہی نہیں سکتی جس میں کسی یتیم سے حُسنِ سلوک نہ کیا جاتا ہو۔

یتیم کے خورد و نوش کا انتظام کرنے والے کے لیے جنّت واجب ہے

(ترجمہ): جس کسی نے یتیم کو اپنے کھانے پر بلایا اللہ تعالےٰ نے اُس کے لیے جنّت واجب کر دی۔ (حدیث شرح سنہ) اور جس عورت نے یتیم کی خاطر اپنی جوانی کو خاک میں ملا دیا قیامت کے دن نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے جھنڈے تلے ہوگی جیسا کہ حدیث شریف میں ہے:- (ترجمہ) "سیاہ رنگت (اُداس چہرے والی) عورت قیامت کے دن میرے قریب اس طرح (دو انگلیوں کے اشارے سے) ہوگی (ابوداؤد) تشریح:- اَلسَّفْعَاءُ سے مراد ایسی عورت ہے جس کا محنت و مشقّت کرتے کرتے رنگ سیاہ پڑ گیا ہو۔ ارشادِ نبویؐ کا مقصد یہ ہے کہ جس عورت نے اپنی یتیم اولاد کی پرورش کی خاطر اپنے حُسن و آرائش کو خاک میں ملا دیا وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے نبی صلّی اللہ علیہ وسلّم کا قرب حاصل کرے گی۔

یتیموں کی شقاوت دُور کرنے کے لیے یتیم پر شفقت اکسیر کا حکم رکھتی ہے

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ راوی ہیں کہ ایک شخص نے رسالت مآب کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ میرا دل بڑا سخت ہے۔ آپ نے فرمایا کہ یتیم کے سر پر دستِ شفقت پھیرا کر اور مسکین کو کھانا کھلایا کر۔ (مسند امام احمد)

بیوگان اور یتامیٰ کی فلاح کیلئے کوشش کرنے والے کا درجہ مجاہد کے برابر ہے:- رسالتمآب کا

ارشاد ہے کہ بیوہ اور یتیم کی بھلائی کے لیے کوشش کرنے والا ایسا ہے جیسا خدا کی راہ میں جہاد کرنے والا یا دن کو روزہ رکھنے اور رات کو عبادت میں بیدار رہنے والا (ترمذی جلد ۲)

آنحضور صلعم یتیم اور عورت کی حق تلفی کے خوف سے کانپ اٹھتے تھے !!

(ترجمہ) حضرت ابو شریح راوی ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے اللہ ! میں دو کمزوروں (یتیم اور عورت) کی حق تلفی کے خوف سے لرزاں رہتا ہوں (نسائی)

تمہاری ترقی اور روزی تمہارے کمزوروں کے طفیل ملتی ہے !!

(ترجمہ) آپؐ فرماتے ہیں کہ تمہیں نصرت (مدد) اور روزی تمہارے کمزوروں کے طفیل ملتی ہے (بخاری)

یتیم کو تربیت دینے کیلئے ڈانٹ ڈپٹ کی جاسکتی ہے مگر اُس کی دلجوئی کرنا لازمی ہے

(ترجمہ) حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں یتیم کو ادب سکھانے کے لیے مارتی ہوں اور پھر اُس وقت تک دل جوئی کرتی رہتی ہوں جب تک کہ وہ راضی نہ ہو جائے (ادب المفرد امام بخاری)

حضرت عبد اللہؓ یتیم کے بغیر کھانا نہیں کھاتے تھے

(ترجمہ) حضرت عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس وقت تک کھانا نہیں کھاتے تھے جب تک کہ کسی یتیم کو اپنے دستر خوان پر نہ بٹھا لیتے۔ (ادب المفرد) اس موضوع کی اہمیت و فضیلت کو اُجاگر کرنے کے لیے اہل علم حضرات بہت کچھ لکھ سکتے ہیں میں تو محض بے مایہ طالب علم ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ اہل درد حضرات اِس طرف ضرور توجہ فرمائیں گے۔

شہید مظلومؓ (بقیہ از ص ۴۳)

جاتا ہے، جب اللہ اور اُس کے رسولؐ کے محبوب کا ناحق خون بہایا جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کا غیض و غضب بھڑکتا ہے اور اُس خونِ ناحق کے بدلے مختلف صورتوں میں عذاب الٰہی کا ظہور ہوتا ہے۔ جس کی ایک سب سے بڑی اور المناک صورتِ حال آپس کی خانہ جنگی اور خوں ریزی ہوتی ہے، جو ہمیں دورِ علوی میں نظر آتی ہے، جس سے باغیوں کو حضرت عبد اللہ بن سلامؓ نے پیشگی متنبہ کر دیا تھا جس کا ذکر میں آگے کروں گا۔

(جاری)

دوسری قسط

روداد تاسیسی اجلاس

تنظیم اسلامی

منعقدہ ۲۷ - ۲۸ / مارچ ۱۹۷۵ء

افتتاحی خطاب کے بعد ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے تنظیم اسلامی کی قرارداد تاسیس پڑھ کر سنائی یہ وہ ہی قرارداد ہے جو ماہ ستمبر ۱۹۶۷ء میں رحیم یار خاں کے اجتماع میں منظور کی گئی تھی جس کا حوالہ ڈاکٹر صاحب کے افتتاحی خطاب میں موجود ہے۔ یہ قرارداد اور اس کی توضیحات "میثاق" کے اکتوبر و نومبر ۱۹۶۷ء کے مشترکہ شمارے میں بعدہ ماہ اگست ۷۶ء کے شمارے میں تنظیم اسلامی کے دستور کے ساتھ شائع ہو چکی ہیں۔ لیکن چونکہ یہ قرارداد تنظیم اسلامی کیلئے سنگ میل اور رہنما اصول (Directive Principles) کی حیثیت رکھتی ہے لہذا اس قرارداد کا اعادہ ضروری معلوم ہوتا ہے۔ اس قرارداد کو پڑھتے وقت جناب ڈاکٹر صاحب موصوف نے بعض مقامات کی تشریحات بھی بیان کیں چنانچہ یہ تشریحات فٹ نوٹ کے طور پر پیش ہوں گی۔

قرارداد تاسیس حسب ذیل ہے۔

آج ہم اللہ کا نام لے کر ایک ایسی اسلامی تنظیم کے قیام کا فیصلہ کرتے ہیں جو دین کی جانب سے عائد کردہ جملہ انفرادی و اجتماعی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے میں ہماری ممد و معاون ہو۔

ہمارے نزدیک دین کا اصل مخاطب فرد ہے اسی کی اخلاقی و روحانی تکمیل اور فلاح و نجات دین کا اصل موضوع ہے اور پیش نظر اجتماعیت اصلاً اسی لئے مطلوب ہے کہ وہ فرد کو اس کے نصب العین یعنی رضائے الٰہی کے حصول میں مدد دے۔ [1]

لہذا پیش نظر اجتماعیت کی نوعیت ایسی ہونی چاہیئے کہ اس میں فرد کی دینی اور اخلاقی تربیت کا کماحقہ لحاظ رکھا جائے اور اس امر کا خصوصی اہتمام کیا جائے کہ اس کے

[1] (حاشیہ اگلے صفحہ پر)

تمام شرکاء کے اپنی جذبات کو جلا حاصل ہو، ان کے علم میں مسلسل اضافہ ہوتا رہے۔ ان کے عقائد کی تصحیح و تطہیر ہو، عبادات اور اتباع سنت سے ان کا شغف اور ذوق وشوق بڑھتا چلا جائے، عملی زندگی میں حلال وحرام کے بارے میں ان کی حس تیز تر اور ان کا عمل زیادہ سے زیادہ مبنی بر تقویٰ ہوتا چلا جائے اور دین کی دعوت و اشاعت اور اس کی نصرت و اقامت کے لئے ان کا جذبہ ترقی کرتا چلا جائے۔ ان تمام امور کے لئے ذہنی اور عملی رہنمائی کے ساتھ ساتھ عملی تربیت اور تاثیر صحبت کے اہتمام کی جانب خصوصی توجہ ناگزیر ہے۔[1]

دعوت کے ضمن میں ہمارے نزدیک "اَلدِّیْنُ النَّصِیْحَۃ" کی روح اور "الاقرب فالاقرب" کی تدریج ضروری ہے لہٰذا دعوت و اصلاح کے عمل کو فرد سے اولاً کنبہ اور خاندان اور پھر تدریجاً ماحول کی جانب بڑھنا چاہیئے۔ اس ضمن میں نئی نسل کی دینی تعلیم و تربیت کا خصوصی اہتمام ناگزیر ہے۔

عامۃ الناس کو دین کی دعوت و تبلیغ کی جو ذمہ داری امتِ مسلمہ پر بحیثیت مجموعی عائد ہوتی ہے۔ اس کے ضمن میں ہمارے نزدیک اہم ترین کام یہ ہے کہ جاہلیت قدیم کے باطل عقائد و رسوم اور دورِ جدید کے گمراہ کن افکار و نظریات کا مدلل ابطال کیا جائے[2] اور حیات انسانی کے مختلف پہلوؤں کے لئے کتاب و سنت کی ہدایت و رہنمائی کو وضاحت کے ساتھ پیش کیا جائے تاکہ ان کی اصل حکمت اور عقلی قدر و قیمت واضح ہو اور وہ شبہات و شکوک رفع ہوں جو اس دور کے لوگوں کے ذہن میں موجود ہیں

---

[1] آپ اس قرارداد تاسیس کو "قرارداد مقاصد" بھی کہہ سکتے ہیں۔ ہر جماعت، انجمن اور ادارہ سب سے پہلے اپنے اغراض و مقاصد متعین کرتا ہے۔ چنانچہ اس قرارداد میں تنظیم اسلامی کے ——— جو مقاصد طے کئے گئے ہیں۔ اُن میں اولین اور اہم ترین مقصد یہ ہے کہ چونکہ آخرت کی عدالت میں ہر شخص فرداً فرداً محاسبہ کے لئے کھڑا کیا جائے گا جیسا کہ سورۂ مریم ——— کی آیت ۹۵ میں فرمایا وَكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا۔ لہٰذا ہماری تنظیم کا اصل ہدف بھی فرد ہوگا۔ یہ اصول بھی دوسری دینی جماعتوں کے مقابلہ میں ہماری تنظیم کو ممیز کرتا ہے۔ ایک اجتماعیت اور ایک معاشرہ افراد کے مجموعہ سے تشکیل پاتا ہے۔ یہ ممکن ہی نہیں کہ لوگ فرداً فرداً تو نیک ہوں اور وہ جب مل جل

(حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کہ ایک جماعت یا معاشرہ تشکیل دیں تو وہ جماعت یا معاشرہ بُرائی اور بدی کا علم بردار ہو۔ بالکل اسی طرح بُرے اور بدکار لوگوں پر مشتمل جو معاشرہ وجود میں آئے گا، کیسے ممکن ہوگا کہ وہ معاشرہ من حیث المجموع نیکی کا پرچارک ثابت ہو سکے۔ لہٰذا ہماری تنظیم اس اصول کو اولین اور اہم ترین مقام دے گی کہ "دین کا اصل مخاطب فرد ہے" چونکہ اسی کی اصلاح دین میں مطلوب ہے اور اسی پر ایک صالح معاشرہ کا وجود منحصر ہے۔

دوسری اہم بات یہ ہے کہ ہماری تنظیم کا مقصد وجود فرد کو اس کے نصب العین یعنی رضائے الٰہی کے حصول میں مدد دینا ہے۔ اس ایک جملہ میں تنظیم کا نصب العین واضح طور پر متعین ہو گیا کہ وہ صرف رضائے الٰہی کا حصول ہے۔ کوئی دنیوی مقصد اس کے پیش نظر نہیں ہے۔ اس تنظیم کی تمام تگ و دو اور اس کے رفقاء کی تمام مساعی صرف رضائے الٰہی کے حصول کے لئے مخصوص ہوں گی۔ یہ تنظیم کی پیش قدمی کے لئے صحیح دینی رُخ متعین کر دیتی ہے۔ اگر یہ جذبہ نہیں ہے اور صرف انقلاب لانا پیش نظر ہے تو معاملہ غلط ہو جائے گا۔ اسی نقطۂ نظر سے وہ عدم توازن پیدا ہوتا ہے۔ جو ان الفاظ کے پس منظر میں موجود ہے اور اسی کے سدباب کے لئے تنظیم کا نصب العین صرف رضائے الٰہی کا حصول مقرر کیا گیا ہے۔

۲۔ اس پورے پیراگراف میں تنظیم کے لئے رہنما اصول (Directive Principles) بیان کئے گئے ہیں۔ نصب العین رضائے الٰہی کا حصول متعین ہونے اور فرد کو اولین مخاطب قرار دینے کے بعد وہ اصول بیان کئے جا رہے ہیں جن کے ذریعہ تنظیم ان مقاصد کی تکمیل کے لئے کوشاں ہوگی۔ اس پیراگراف میں "لحاظ رکھا جائے"، "اہتمام کیا جائے"، "جلا حاصل ہو"، اضافہ ہوتا رہے" "ترقی کرتا چلا جائے" کے الفاظ انتہائی قابلِ غور ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ "جس شخص کے دو دن ایک جیسے گزرے وہ شخص بہت گھاٹے میں رہا" (او کما قال صلی اللہ علیہ وسلم) لہٰذا اگر کوئی دینی جماعت یا تنظیم اپنے متوسلین یا اپنے رفقاء و شرکاء کو ان اعتبارات سے جو اس پیراگراف میں بیان ہوئے ہیں۔ مسلسل اٹھا نہیں رہی ہے تو دراصل وہ گھاٹے اور خسارے میں جا رہی ہے۔ کجا یہ کہ اس کے اندر انحطاط اور اضمحلال کا معاملہ شروع ہو جائے۔

۳۔ اس پیراگرف میں دعوت، امر بالمعروف نہی عن المنکر شہادتِ حق علی الناس اقامت دین اور تواصی بالحق کے فریضہ کی انجام دہی کے لئے صحیح طریق کار کی نشان دہی کی

(بقیہ: اداریہ)

کی گئی ہے اور ان دائروں کو طرف اشارات کر دیئے گئے ہیں جن میں تدریجاً ہمیں کام کرنا ہے۔ ہمارا یہ قومی مزاج بن گیا ہے کہ ہمیں دوسروں کی آنکھ کا بال بھی نظر آجاتا ہے لیکن اپنی آنکھ کا شہتیر بھی نظر نہیں آتا۔ پھر ہم دوسروں (بالخصوص صاحب اقتدار گروہ) کو تیز و تند تنقیدوں اور ملامتوں کا ہدف بناتے ہیں لیکن نہ اپنی اور نہ اپنے گھر والوں کی اصلاح کی کوئی فکر کرتے ہیں۔ اور ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد فراموش کر دیتے ہیں کہ "کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ" یعنی تم میں سے ہر ایک راعی ہے اور ہر ایک سے اپنی رعیت کے بارے میں سوال ہوگا۔

پھر نصح، خیر خواہی، ہمدردی اور دلسوزی سے ہم بالکل تہی دست ہیں۔ جب کہ ہمیں ہدایت دی گئی ہے کہ الدین النصیحۃ۔ چنانچہ ہماری تنظیم کے بنیادی طریق کار کے اشارات اس پیراگراف میں بیان کر دیئے گئے ہیں۔

۵۔ اس دور کی ہمہ گیر دینی تحریکوں نے دور جدید کے گمراہ کن افکار و نظریات پر تو مدلل تنقیدیں کی ہیں اور خوب کی ہیں۔ لیکن جاہلیت قدیم کے باطل عقائد و رسوم (شرکانہ اور مبتدعانہ اعمال) پر گرفت کرنے سے پہلو تہی کی ہے بلکہ ان کے ساتھ صرف نظر اور مداہنت کا رویہ اختیار کیا ہے بالخصوص جب سے الیکشن کے ذریعہ انقلاب قیادت کو بطور خاص الخاص اپنا طریق کار قرار دیا گیا ہے تو اس باب میں بدقسمتی سے صرف نظر اور مداہنت سے بھی آگے بڑھ کر ان میں شرکت بھی شروع ہو گئی ہے، چونکہ عوام الناس کے ووٹ حاصل کرنے کے لئے اُن کی خوشنودی ناگزیر ہے۔ ان کو ناراض کرنا اپنے کاز کو نقصان پہنچانا ہے۔ حالانکہ یہ باطل عقائد و رسوم تنقید کے زیادہ مستحق ہیں چونکہ ان کو خالص نیکی اور دینی کام سمجھ کر اختیار کیا جاتا ہے درآں حالیکہ یہ عقائد و رسوم توحید کے چشمہ صافی کو غلیظ بنانے کا اصل موجب ہیں۔ لہٰذا تنظیم کے دعوتی کام میں جاہلیت قدیم پر بھی بھرپور تنقید کی جائے گی اور مسلمانوں کو ان سے محفوظ رکھنے کی نصیحت و موعظت ہوگی۔ انشاء اللہ العزیز۔

قرارداد کی تاسیس کی توضیحات جناب مختار حسین فاروقی نے پیش کیں (قرارداد کی توضیحات ماہنامہ میثاق کے اکتوبر و نومبر ۷۶ء کے شمارے نیز ماہ اگست ۷۶ء کے شمارے میں شائع ہو چکی ہیں۔)

قرارداد تاسیس اور اس کی توضیحات کے مطالعہ کے بعد ڈاکٹر صاحب نے فرمایا۔

رفیقو! اگرچہ بعض معاملات اپنی نوعیت کے اعتبار سے ایسے ہوتے ہیں کہ جو بندے اور رب کے مابین ایک راز ہوتے ہیں اور دلوں کے بھیدوں کو صرف وہی جانتا ہے۔ صرف وہی علیمٌ بذات الصدور ہے اور اسی کی یہ شان ہے کہ وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِیْٓ اَنْفُسِکُمْ اَوْ تُخْفُوْہُ یُحَاسِبْکُمْ بِہِ اللّٰہُ ۔ لہٰذا کسی انسان کے لئے یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ ایسی قطعی گواہی پیش کر سکے جو دوسرے لوگوں کو پوری طرح مطمئن کر دے۔ اسی صورتِ حال سے میں دوچار ہوں۔ میں اپنا سینہ کھول کر آپ کے سامنے نہیں رکھ سکتا۔ البتہ امکان بھر کوشش کر سکتا ہوں کہ اپنا ذہن کھول کر آپ کے سامنے رکھ دوں۔ چنانچہ یہی کوشش میں نے اپنی افتتاحی تقریر میں کی تھی۔ اس کوشش کا میں اس موقع پر بھی اعادہ کرتا ہوں۔ خدا شاہد ہے کہ میری ذات کی حد تک اس کام کا اصل محرک صرف احساس فرض ہے۔ جس حد تک میں اپنے شعور کا جائزہ لے سکتا ہوں اس کو (Probe) کر سکتا ہوں تو میں پورے احساس ذمہ داری کے ساتھ کہتا ہوں کہ جب میں نے انجمن بنائی تو کوئی ذوقِ انجمن آرائی نہ تھا اور اب جماعت بنانے کا جو فیصلہ کیا ہے تو کوئی شوق جماعت سازی نہیں ہے۔ میں اپنی زندگی کے دو واقعات پہلے آپ کے سامنے رکھ چکا ہوں۔ دو اور واقعات کی طرف اب میرا ذہن منتقل ہوا جو میں چاہتا ہوں کہ وہ بھی آپ کے سامنے رکھ دوں اور وہ بھی خاص اس پس منظر میں کہ میرا ماضی میں جماعتِ اسلامی سے تعلق رہا ہے۔ جسے میں نہ چھپاتا ہوں نہ مجھے اس پر کوئی پشیمانی ہے۔ نہ اس میں شمولیت پر مجھے کبھی پشیمانی ہوئی اور نہ اس سے علیحدگی پر۔ میں پوری طرح مطمئن ہوں کہ اس میں داخل ہوا تھا تو بھی دین کے لئے اور اس سے نکلا ہوں تو بھی دین کے لئے۔ چنانچہ میں نے جماعت سے اپنے استعفیٰ میں یہ آیت لکھی تھی کہ رَبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْکَ سُلْطٰنًا نَّصِیْرًا ۔ میں جماعت میں جب داخل ہوا تھا تو کھیل سمجھ کر داخل نہیں ہوا تھا اور اس سے علیحدہ ہوا تو اَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ کی دعا کرتے ہوئے علیحدہ ہوا۔

میں نے جب اپنے طور پر دعوتِ اسلامی کے احیاء کا بیڑا اٹھانے کا فیصلہ کیا تو سب سے

پہلے میں نے وہ کتاب شائع کی جو بہت سے حضرات کے نزدیک بڑی متنازعہ فیہ کتاب ہے اسی کتاب کی وجہ سے بہت سے بزرگوں اور احباب کو یہ اندیشہ لاحق رہتا ہے اور بجا طور پر لاحق رہتا ہے کہ کہیں یہ نئی تنظیم کسی جماعت سے اس طرح الجھ کر نہ رہ جائے کہ پھر اس دلدل سے نکل نہ پائے۔ اس اندیشہ کی تردید میں، میں چاہتا ہوں کہ دو باتیں آپ کے سامنے رکھ دوں کہ جماعتِ اسلامی کے موجودہ موقف اور پالیسی سے شدید ترین اختلاف کے باوجود آج تک میں نے کوئی ایسا کام نہیں کیا جس کو جماعت کی مخالفت کہا جا سکے۔ چنانچہ اس ملک میں وہ دور بھی آیا جب صدر ایوب کو سرِ لمن الملک بجا رہے تھے ابتدائی چند سالوں تک تو کسی کو دم مارنے کی جرأت نہیں ہوئی، مارشل لاء کی ہیبت پوری طرح طاری تھی۔ لیکن جب رفتہ رفتہ اِدھر یہ ہیبت کم ہوئی اُدھر صدر ایوب نے سیاسی سرگرمیوں کیلئے ڈھیل دی اور ایک دستور نافذ کیا تو سیاسی سرگرمیوں (Activities) کی تجدید ہوئی اور فوراً جماعتِ اسلامی اپوزیشن گروپ کی حیثیت سے نہایت منظم گروہ کے طور پر سامنے آگئی۔ اس وقت صدر ایوب اور ان کے رفقاء کار کی سب سے بڑی ضرورت یہ تھی کہ کچھ نمایاں لوگ ایسے مل جائیں جو جماعت میں رہے ہوں اور اختلاف کے باعث علیحدہ ہوئے ہوں تو ان کے ذریعہ جماعت کو بدنام کرنے کا کام لیا جا سکے۔ اس ملک میں اس وقت میں بھی موجود تھا۔ میں اس وقت بھی بول سکتا تھا۔ اور لکھ سکتا تھا۔ اسلامی جمعیت طلبہ کے دور میں جتنا بول اور لکھ چکا تھا۔ اس سے بہتر اس وقت بول اور لکھ سکتا تھا۔ اگر مجھے جماعتِ اسلامی کی مخالفت مطلوب ہوتی یا اپنی قیمت چکوانی مقصود ہوتی تو وہ سنہری موقع تھا۔ لیکن اس وقت کے معاملات کی گواہی میاں یٰسین وٹو صاحب دے سکتے ہیں جو مغربی پاکستان کی بہت نمایاں شخصیت ہیں اور عرصہ تک وزیر رہے ہیں۔ وہ بحمداللہ بقیدِ حیات ہیں۔ جو صاحب چاہیں ان سے مل کر اس بات کی توثیق حاصل کر سکتے ہیں کہ لاہور کے گورنر ہاؤس میں صدر ایوب صاحب اور نواب کالا باغ کی موجودگی میں کنونشن مسلم لیگ کے چند سربرآوردہ شخصیات کے مابین یہ مسئلہ زیرِ بحث آیا کہ جماعتِ اسلامی کے خلاف کن کن لوگوں کو استعمال کرنے کی کوشش کی جا سکتی ہے۔ ان میں مولانا اصلاحی صاحب کا اور میرا نام زیرِ بحث آیا۔ لیکن اس بھری مجلس میں کسی صاحب نے کہا کہ، جناب آپ ان دونوں کو ان پر قیاس

نہ کیجئے جو خریدے جا سکتے ہیں (اس ضمن میں ایک صاحب کا باقاعدہ نام بھی لیا گیا)
چنانچہ اس اظہار رائے کے بعد اس خیال ہی کو سرے سے ترک کر دیا گیا کہ ان لوگوں
سے سلسلہ جنبانی قائم کیا جائے۔ بعدہ ۱۹۷۰ء کے عام الیکشن کا زمانہ آیا۔ جیسا کہ میں
پہلے بھی بتا چکا ہوں کہ اس زمانہ میں، میں نے میثاق میں چند سیاسی اداریے لکھے تھے۔
یہ اداریے مقبول بھی ہوئے اور جناب حنیف رامے صاحب نے یہ اداریے اپنے پرچہ
"نصرت" میں نقل بھی کئے۔ کوثر نیازی صاحب نے بھی ان اداریوں کی مجھ سے تعریف کی۔
اس وقت کی دینی جماعتوں کے متعلق میرا خیال یہ تھا کہ سیاسی اعتبار سے جمعیت العلماء
اسلام کا موقف، جماعت اسلامی کے مقابلہ میں کچھ بہتر ہے۔ اس وقت زیادہ نمایاں
یہی دو دینی گروپ تھے۔ چنانچہ میری اس بات سے جمعیت کے اکابر کو یہ مغالطہ ہو گیا
کہ میں شاید ان کا حامی اور حمائتی ہوں اور انہوں نے خیال کیا کہ اگر اس کی کچھ حوصلہ
افزائی کی جائے تو شاید یہ آگے آجائے۔ چنانچہ جب الیکشن کا مرحلہ قریب آیا تو
جمعیت العلماء اسلام کے دو انتہائی ذمہ دار حضرات متعدد بار میرے پاس تشریف
لائے وہ پنجاب کی ایک صوبائی نشست پر مجھے اپنے نمائندے کی حیثیت سے کھڑا
کرنا چاہتے تھے۔ میں متواتر ان سے یہ عرض کرتا رہا کہ اگر مجھے یہی کام کرنا ہوتا تو میں
جماعت اسلامی کو کبھی خیر باد نہ کہتا۔ مجھے یہی کام تو نہیں کرنا۔ بلکہ میں سمجھتا ہوں کہ اس
طریق کار سے دین کی کوئی خدمت نہیں ہو سکتی۔ لیکن ان حضرات کے دلائل کچھ
ایسے تھے کہ رفتہ رفتہ میں لاجواب (Convince) ہوتا چلا گیا۔ حالانکہ
وجدانی اور شعوری طور پر میں ان کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں تھا۔ انہوں نے میرے
سامنے خانیوال کی ایک انتہائی معمر اور متقی شخصیت ——— میر جی خورشید صاحب
جن کی عمر اس وقت سو سال سے بھی متجاوز تھی کا نام پیش کیا اور کہا کہ کیا تم گمان
کر سکتے ہو کہ یہ بزرگ ہستی کسی اقتدار کی خواہش کے تحت الیکشن میں کھڑی ہو رہی ہے۔
ہم جو ایسے لوگوں کو سامنے لا رہے ہیں تو اس کی غایت یہ ہے کہ ایک طرح معاشرے پر اتمام
حجت ہو جائے۔ لیکن میرا وجدان ان کی بات کو قبول کرنے کے لئے قطعی آمادہ نہیں
تھا۔ جب چودھری محمد نصیر صاحب (کرشن نگر والوں) کو ——— جو آج کے اس
اجتماع میں موجود ہیں اور جن کی اس زمانہ میں ساری ہمدردیاں اور کوششیں

جماعت اسلامی کے لئے وقف تھیں جب انہیں معلوم ہوا کہ جمعیت العلمائے والے مجھ سے سلسلہ جنبانی قائم رکھے ہوئے ہیں تو چودھری صاحب یہ سمجھے کہ یہ حضرات اپنے کسی نمائندے کے لئے میرا تعاون حاصل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے مجھ سے فرمایا کہ "اگر یہ حضرات ایسے ہی مخلص ہیں تو آپ کو کھڑا کیوں نہیں کرتے "

میں نے ہنس کر کہا کہ "چودھری صاحب! وہ تو اسی لئے آرہے ہیں" اس پر چودھری صاحب نے کہا "یہ بات بالکل ٹھیک ہے آپ ضرور کھڑے ہوں اور میں اس بات کی ضمانت دیتا ہوں کہ جماعت اسلامی کی پوری تائید آپ کو حاصل ہوگی" گویا دونوں گروہوں کی تائید حاصل ہونے کے روشن امکانات موجود تھے۔ میں نے ہنس کر کہا کہ "میرے پاس تو ضمانت جمع کرانے کے لئے بھی پیسے نہیں ہیں" تو انہوں نے کہا کہ "یہ میرے ذمہ ہے یہ میں جمع کراؤں گا" میں نے ان ترغیبات سے بچنے کا صرف ایک ہی راستہ کھلا دیکھا اور وہ یہ کہ میں پاکستان سے فی الفور باہر چلا جاؤں۔ چنانچہ بحمد اللہ، یہ انتظامات ایک ہفتہ کے اندر اندر مکمل ہوگئے اور میں عمرہ کے لئے حجاز مقدس چلا گیا۔ چار مہینے میں پاکستان سے باہر رہا اور الیکشن کے نتائج ریڈیو پر میں نے مدینہ منورہ میں سُنے۔

میں نے اس موقع پر ان امور کا تذکرہ اس لئے ضروری سمجھا کہ میں یہ بات آپ کے علم میں لے آؤں کہ اگر کوئی سیاست بازی اور لیڈری اور الیکشن کے کھیل کھیلنے پیش نظر ہوتے تو بہت سے مواقع آئے۔ میں بوڑھا بھی نہیں ہوں اور نہ میں اس قسم کے عجز و انکسار کا قائل ہوں کہ میں یہ کہوں کہ مجھ میں کوئی اہلیت و صلاحیت نہیں ہے۔ مجھے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شعور بحمد اللہ حاصل ہے۔ مجھے خدا کے فضل سے بولنا بھی آتا ہے، لکھنا بھی آتا ہے مجھ میں قوتِ استدلال بھی موجود ہے، جس سے دوسروں کو قائل کیا جا سکتا ہے۔ فی زمانہ لیڈری کی دوکان چمکانے کے لئے ان ہی چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے — بلیتین وٹو صاحب تو یہاں موجود نہیں ہیں البتہ چودھری محمد نصیر صاحب موجود ہیں، میں ان سے درخواست کرتا ہوں کہ میں نے ان کے حوالہ سے جو کچھ عرض کیا ہے، اس کے متعلق وہ گواہی دیں کہ کس حد تک یہ بات درست یا غلط ہے"

چنانچہ چودھری صاحب نے کھڑے ہو کر گواہی دی کہ ڈاکٹر صاحب نے جو کچھ فرمایا ہے وہ بالکل صحیح اور درست ہے۔ اس گواہی کے بعد ڈاکٹر صاحب نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ :۔

"مجھے گذشتہ دنوں جماعت اسلامی کے متعلق ٹیلی ویژن پر اظہار خیال کی دعوت دی گئی۔ مجھ سے بہت اصرار کیا گیا۔ مجھ سے یہانتک کہا گیا کہ آپ جو کچھ حق سمجھتے ہیں۔ اُسی کو بیان کریں۔ آپ پر کوئی قدغن نہیں ہوگی ہے کہ یہ کہیں، اور یہ نہ کہیں۔ میں نے یہ کہہ کر اس پیش کش کو قبول کرنے سے انکار کر دیا کہ "مجھے جماعت اسلامی سے اختلاف ہے۔ اس سے مخالفت نہیں ہے" مزید یہ کہ "حق بھی اس اعتبار سے کہنا کہ وہ حُبِ علیؓ کے تحت نہ ہو بلکہ بغضِ معاویہؓ کے تحت ہو، میرے نزدیک صحیح نہیں ہے" بلکہ ناحق ہے جس میں، مَیں کوئی تعاون نہیں کر سکتا"

جماعت کے متعلق بحمداللہ میرا یہ طرزِ عمل رہا ہے مجھے نہ کسی سے کوئی گِلہ ہے، نہ دشمنی ہے، نہ کوئی عداوت ہے۔ میں جماعتِ اسلامی کی ضد میں اس کے کسی دشمن اور مخالف کے ساتھ اشتراک کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں لیکن میں اس کو کیا کروں کہ مجھ پر یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ ایک عظیم الشان مقصد کے لئے ایک عظیم تحریک جماعت اسلامی کی شکل میں اٹھی تھی۔ لیکن وہ اپنا مقصد فراموش کر چکی ہے وہ خالص سیاست کی خاردار وادیوں میں گم ہو کر رہ گئی ہے۔ دلدل میں وہ دھنستی چلی جا رہی ہے، اور سب سے بڑا المیہ یہ ہے کہ اس کے اکابر و اصاغر میں سے اکثر و بیشتر کو یہ محسوس بھی ہو رہا ہے کہ ان کا قافلہ شاہراہِ مستقیم سے ہٹ کر بیگ ڈنڈیوں میں سرگشتہ و سرگرداں ہو چکا ہے۔ لیکن وائے حسرتا! انسان اپنے گرد ایک ایسا تانا بانا بُن لیتا ہے کہ اس کے چنگل سے نکلنا چاہے بھی تو اعصاب اتنے مضمحل ہو چکے ہوتے ہیں اور قوت مدافعت اتنی کمزور ہو چکی ہوتی ہے کہ اس چاہنے کے باوجود اس کے چنگل سے نکلنا آسان نہیں ہوتا۔

تنظیم اسلامی کے اس تاسیسی اجلاس کی دوسری نشست اسی دن بعد مغرب منعقد ہوئی۔ اس نشست میں ۸۷ حضرات شریک ہوئے۔ خطبہ مسنونہ سے کارروائی کا آغاز ہوا۔

پہلے جملہ شرکا کا انفرادی تعارف ہوا۔ بعدہٗ تنظیم اسلامی کے مجوزہ دستور کا حصہ اوّل بشمول "نام اور شرائط شمولیت" پیش کیا گیا ہر دفعہ اور ذیلی دفعات بہ کمال و تمام پڑھی گئیں اور اکثر مقامات کی ڈاکٹر صاحب تشریح و توضیح بھی کرتے رہے۔ چند دفعات میں بعض لفظی ترامیم اور بعض میں اضافہ بھی منظور ہوئے۔ یہ تمام فیصلے اب "تنظیم اسلامی کے دستور" کی شکل میں مطبوعہ موجود ہیں اور "ماہنامہ میثاق" کے اگست ۷۶ء کے شمارے میں شائع بھی چکے ہیں۔ اس مرحلے کی تکمیل کے بعد ڈاکٹر صاحب نے فرمایا۔

رفقائے گرامی! اگر ہم چاہیں تو اپنی دعوت کا ایک خلاصہ اس طرح بھی بیان کر سکتے ہیں کہ ہماری یہ دعوت، تجدید ایمان۔ توبہ۔ اور تجدید عہد کی دعوت ہے۔ اپنے ایمان کو شعوری طور پر تازہ کرو۔ اب تک کی بے عملی پر، غفلت پر، غلطی پر، نافرمانی پر معصیت پر پوری ندامت کے ساتھ صدق دل سے توبہ کرو اور ایک عزم نو کے ساتھ اپنے رب سے ایک عہد اطاعت اور بندگی از سر نو استوار کرو۔ ہماری دعوت کیلئے یہ تین الفاظ بڑی اہمیت کے حامل رہیں گے۔ چنانچہ جیسا کہ آپ نے دیکھا ہوگا کہ ہمارے دستور کے پہلے حصے میں جو ہمارے عقائد، نظریات اور افکار سے متعلق ہے۔ ان ہی تینوں امور کو پوری طرح ملحوظ رکھ کر ہر ہر امر کی مفصل شرح کی گئی ہے تاکہ بات منقح اور منشرح ہو کر سامنے آجائے اور کوئی ابہام نہ رہے۔ ایمانیات کے ذیل میں ہر اس رخنہ کو بند کرنے کا حتی الامکان لحاظ رکھا گیا ہے، جس سے قصر یقین کو صدمہ پہنچ سکتا ہے۔ اسی طرح توبہ کے ضمن میں یہ بات پیش نظر رکھی گئی ہے کہ اگر کوئی شخص فرائض کا تارک ہے تو وہ اس کوتاہی پر سخت نادم ہو، اور اللہ تعالیٰ کی جناب میں خلوص کے ساتھ توبہ کرے کہ میں اب کوئی کوتاہی اور غفلت نہیں کروں گا۔ معصیت کی زندگی پر پشیمانی کا اظہار کرے اور اس سے فی الفور مجتنب ہونے کا عزم مصمم کرے اور اللہ سے استغفار کرے۔ اس کی شان غفاری سے مغفرت کی اُمید رکھے۔ اس توبہ کے بعد بھی اگر اُس سے کوئی خطا ہو جائے تو ندامت و پشیمانی کے ساتھ باری تعالیٰ کی جناب میں پھر رجوع کرے اور اس سے توبہ کا طلب گار رہو۔ ہمارے دین میں توبہ کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ کسی بندہ مومن سے ساری عمر کوئی لغزش ہی نہ ہو۔ البتہ توبہ کے وقت اس مصمم ارادہ کا ہونا لازمی اور ضروری ہے کہ یہ خطا اور

یہ معصیت وہ آئندہ ساری عمر نہیں کرے گا۔ لیکن اگر پھر بھی اس سے خطا ہو جائے۔ ماحول اور حالات کے زیر اثر وہ بہک جائے۔ کوئی لغزش ہو جائے تو پھر از سر نو متنبہ ہو اور توبہ کرے۔ اس وقت ایک شعوری توبہ تنظیم اسلامی میں شرکت کے لیے لازم ہے۔ ہر رفیق کے لیے ضروری ہے کہ وہ طے کرے کہ میں جملہ فرائض کی پابندی کروں گا اور تمام کبائر سے فی الفور مجتنب ہو جاؤں گا۔ کبائر اگر کسی کی زندگی میں شامل ہیں تو ان کو فوراً چھوڑنا ہوگا البتہ صغائر سے بہ یک وقت انسان کا اس طرح دامن جھاڑ کر علیحدہ ہو جانا آسان نہیں ہے۔ اس کے لئے پیہم جدوجہد اور کشمکش اُسے آج ہی سے شروع کرنی ہوگی اور چُن چُن کر انہیں اپنی زندگی سے خارج کرنا ہوگا۔

اَلَّذِیْنَ یَجْتَنِبُوْنَ کَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَالْفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَمَ

قرآن مجید میں فرمایا گیا "وہ لوگ جو بڑے بڑے گناہوں اور بڑے بڑے فحش کاموں سے اپنے آپ کو بچالیں، سوائے اس کے کہ کہیں کوئی لغزش ہو جائے کوئی چھوٹی موٹی خطا سرزد ہو جائے" لہٰذا ہمارے رفقاء کو کبائر و فواحش سے فی الفور اجتناب ضروری ہے۔

اکل حلال کا معاملہ بہت ٹیڑھا ہے لوگوں نے حرام ذرائع سے کمانے کو ہنیًا مریئًا بنا رکھا ہے اور حرام ذریعوں کو کبائر کی فہرست سے خارج کر رکھا ہے۔ ہماری تنظیم میں شمولیت کی ایک شرطِ لازم یہ بھی ہے کہ اگر کوئی شخص ایسا ذریعہ معاش رکھتا ہو جو معصیت فاحشہ کی تعریف میں آتا ہو تو اس ذریعہ معاش کو بھی فی الفور ترک کرنا تنظیم میں شامل ہونے والے رفیق پر لازم ہوگا۔ جیسے چوری، ڈاکہ، شراب، زنا رقص و سرود، شہادت زور، رشوت، خیانت، جوا اور سٹہ وغیرہ۔ ان ذرائع معاش کو ترک کئے بغیر تنظیم میں شمولیت کے کوئی معنی نہیں ہیں ——— اس میں شک نہیں کہ یہ مرحلہ بڑا کٹھن ہے۔ آج کی صحبت میں ان دفعات پر گفتگو کے موقع پر بعض رفقاء نے جن مشکلات اور دشواریوں کا ذکر کیا ہے، وہ فی الواقع موجود ہیں۔ میں جانتا ہوں کہ ہمارا معاشرہ اور ہمارا ماحول اتنا فاسد ہو چکا ہے اور اس میں حرام اتنا سرایت کر چکا ہے کہ شاید ہی کوئی دعویٰ کر سکے کہ بالکلیہ اس کا دامن حرام سے پاک ہے اور اس کی روٹی، اس کی معاش اور اس کے رہن سہن میں حرام کا کوئی شائبہ شامل نہیں ہے۔ میرا خیال ہے کہ یہ معاملہ محالِ مطلق کی حد میں آگیا ہے۔ شاذ کوئی ہو جو

محفوظ و مامون ہو تو الشاذ کالمعدوم کی تعریف میں آتا ہے۔ لیکن مشکل یہ ہے ہم کیا کریں۔ اگر ہم اپنی تنظیم میں بھی وہ ساری ڈھیل برقرار رکھیں جو ہمارے دینی حلقہ نے روا کر رکھی ہے تو پھر 'تنظیم اسلامی' کے نام سے ایک نئی جماعت بنانے کی تو کوئی حاجت نہیں۔ ایسی دینی جماعتوں کی کیا کمی ہے کہ سب کچھ کرو مگر چند دینی اعمال و افعال ہیں ان کو انجام دیتے رہو۔ دینی مدارس قائم کردو، ان کی مالی معاونت کرتے رہو۔ خاص طور پر یہ معاملہ صنعت و تجارت سے تعلق رکھنے والوں کو درپیش ہوتا ہے۔ میری تقریروں اور درسوں میں جو منتخب تنقیدیں اس دائرے والوں پر ہوتی رہی ہیں، ان کو پیش نظر رکھیے کہ میرے نزدیک یہ تصور دین مسخ اور منحرف (Perverted) بھی ہے اور محدود بھی کہ سود لو بھی اور دو بھی، بلیک مارکیٹنگ کرو اور اسمگلنگ بھی۔ جھوٹ اور فریب کا ہر حربہ استعمال کرو، انکم ٹیکس، ڈیوٹی اور چنگی بچانے کے لئے غلط حسابات بھی رکھو، دروغ بیانی بھی کرو۔ لیکن اس کے ساتھ حج ہو۔ عمرے ہوں، مساجد کی تعمیر ہو، اور دینی مدارس کو چندے دینا اور مولویوں کی خدمت کرنا ہو تو اب ایسے شخص کی دین داری میں کیا شبہ باقی رہ جاتا ہے۔ ہمارے دین کی یہ منحرف اور یہ مسخ شدہ شکل (Perverted) ہے جو ہماری نوجوان نسل کو اہل دین اور رجال دین ہی سے نہیں بلکہ نفس دین ہی سے سخت متنفر کرنے کا باعث بن رہی ہے۔ لہٰذا اب جب ہم احیائے دین اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے ایک تنظیم اور جماعت قائم کر رہے ہیں تو ہمیں یہ پابندی عائد کرنی ہوگی کہ ہمارے رفقاء کا دامن اس تضاد عملی اور دوغلی شخصیت سے بہرحال حتی الوسع پاک صاف ہو۔

اب ذرا ملازمت پیشہ طبقہ کا بھی جائزہ کیجیے۔ اگرچہ حکومت کی ملازمت میں اور پرائیویٹ اداروں کی ملازمتوں میں بھی بہت سی ایسی Posts ہیں کہ جن پر بیٹھ کر کہیں آدمی کو اپنے ہاتھ سے سود کا اندراج کرنا پڑ جائے۔ جیسے کوئی اکاؤنٹنٹ اپنے دفتر میں کارکنوں کے پراویڈنٹ فنڈ کا حساب رکھنے پر مامور ہو تو اس صورت حال کو ہم ایک درجہ میں اضطراری سمجھ سکتے ہیں گو عزیمت کا تقاضا تو یہ ہے کہ ایک بندہ مومن اس سے بھی بچنے کی سبیل نکالنے کی فکر کرے۔ لیکن وہ ادارے جن کی رگ و پے میں سود سرایت کئے ہوئے ہو۔ اس ادارے کی ملازمت کرنے والا اس تنظیم میں شامل نہیں ہو

سکتا، یعنی بینک اور انشورنس کمپنیاں۔ یہ وہ ادارے ہیں، جن کا اوڑھنا اور بچھونا اور جن کے کاروبار کی اصل بنیاد و اساس، جس کا تانا بانا اور جس کی ریڑھ کی ہڈی ربا (سود) ہے۔ ایسے اداروں سے وابستہ حضرات اس تنظیم میں شامل نہیں ہو سکتے تاآں کہ وہ اس ملازمت سے استعفیٰ دے کر کوئی دوسرا ذریعہ معاش اختیار نہ کریں۔ چاہے ان کی موجودہ آمدنی سے نصف بلکہ چوتھائی کیوں نہ رہ جائے اور اکثر فاقوں کی نوبت ہی کیوں نہ آجائے۔ اسی طرح شراب کشید کرنے کا ادارہ ہو، شراب خانہ ہو، ساقی خانہ ہو، شراب کی دوکان ہو، شراب کی ایجنسی ہو، تو ایسے اداروں کی ملازمت بھی قطعاً جائز نہیں ہے، اور اس کو بھی ہم کسی درجہ میں گوارہ نہیں کریں گے۔ اسی طرح زنا کے گناہ سے کسی نوع کا تعلق رکھنے والا اس تنظیم کا رفیق نہیں بن سکتا۔ یہاں آپ کو زنا کا ذکر کچھ عجیب سا لگے گا۔ چونکہ اس کی گندگی اور معصیت اظہر من الشمس ہے۔ لیکن حقیقی صورت حال یہ ہے کہ بعض چیزیں زنا ہی جیسی ناپاک اور گندی ہیں، مگر ان کا ہمارے اندر شعور نہیں ہے لہٰذا اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ سود۔ شراب اور زنا یہ سب ایک ہی قبیل کی چیزیں ہیں۔ بلکہ سود تو زنا سے بھی زیادہ گھناؤنا جرم ہے۔ اسی لئے اس کے گھناؤنے پن کو ظاہر کرنے کے لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ تمثیل بیان فرمائی ہے کہ سود کے گناہ کے ستر حصے ہیں، اگر کوئی شخص اس گناہ کا ارتکاب کرتا ہے تو اس کا ستر واں (بلے) حصہ اس کے برابر ہے کہ ایک شخص زنا کرے اور وہ بھی اپنی ماں کے ساتھ (او کما قال صلی اللہ علیہ وسلم) سود کی شناعت کو واضح کرنے کے لئے حضورؐ نے یہ اسلوب اختیار فرمایا۔ پس وہ ادارے اور وہ کاروبار جن میں ریڑھ کی ہڈی کے طور پر سود شامل ہے، ان کی ملازمت بہرحال معصیت فاحشہ میں داخل ہے اور زنا، شراب اور رقص و سرود کے اداروں سے بھی ملازمت کا تعلق اسی ذیل میں شامل ہے۔

ایک اور اہم مسئلہ بینکوں کے ساتھ معاملہ سے تعلق رکھتا ہے۔ بینک سے کسی بھی مقصد کے لئے سود پر قرض لینا اور فکسڈ ڈیپازٹ اور سیونگ اکاؤنٹ یا اسی نوع کے کھاتوں پر یا سرٹیفکیٹوں پر سود لینا حرام مطلق ہے۔ جس کو کسی درجہ میں بھی ہم گوارا نہیں کریں گے۔ سود پر قرض مکان بنانے کے لئے لیا گیا ہو، چاہے کاروبار کے لئے چاہے

کسی اور مقصد کے لئے۔ مقصد چاہے کچھ ہو سود پر قرض لینا حرام مطلق ہے۔ حرام مطلق ہے۔ حرام مطلق ہے۔ یہی صورت حال سود لینے کی ہے۔ البتہ آپ کو بنک سے کوئی سروس لینی ہے۔ گو عزیمت کی راہ تو یہ ہے کہ اس سودی ادارے سے کسی درجہ میں کوئی معاملہ ہی نہ کیا جائے۔ اس کے ساتھ تعاون و تعلق ہی کسی درجہ میں نہ ہو۔ لیکن بعض رخصتیں ہوں گی جن کو گوارا کیا جا سکتا ہے چونکہ اس ماحول میں رہتے ہوئے ان کے بغیر چارا نہیں ہے۔ آپ اپنی کسی چیز کی محافظت کے لئے بنک لاکر لے سکتے ہیں۔ اپنے ضروری کاروبار کے لئے یا اُن چیکس (Cheques) کو کیش کرانے کے لئے جو تنخواہ یا کسی دوسری ادائیگی کے لئے آپ کو ملتے ہوں، صرف کرنٹ اکاؤنٹ رکھا جا سکتا ہے۔ اسی طرح دوسری بنک سروسز جیسے ڈرافٹ Pay Orders وغیرہ تو اس حد تک بھی استفادہ کیا جا سکتا ہے۔ البتہ امپورٹ کے سلسلہ میں انڈنٹ اور لائسنس کی یعنی امپورٹیڈ مال یا Consignments کی پوری رقم پیشگی ادا کئے بغیر تاکہ سود کسی صورت بھی لاگو نہ ہو۔ ایل سی مارجن Letter of Credit Margine کھول کر تنظیم کے رفقا کو امپورٹ بزنس کی ہرگز اجازت نہیں ہوگی۔

اس موقع پر ایک رفیق نے سوال کیا کہ سیونگ اکاؤنٹ اگر اس تصریح کے ساتھ بنک میں کھولا جائے کہ اس پر سود محسوب نہ ہو تو کیا اس میں بھی قباحت ہے؟ اس سوال پر سائل سے ڈاکٹر صاحب نے دریافت کیا کہ کرنٹ اکاؤنٹ کیوں نہیں۔؟ جواب ملا کہ کرنٹ اکاؤنٹ پر ششماہی یا سالانہ بنک کچھ Charges وضع کرتا ہے۔ البتہ سیونگ اکاؤنٹ پر اگر صراحت کر دی جائے کہ سود محسوب نہ ہو تو نہ کچھ لے سکتا ہے اور نا ہی کچھ دینا پڑتا ہے۔ اس پر ڈاکٹر صاحب نے فرمایا۔

"سیونگ اکاؤنٹ میں کھاتا کھولنے میں قباحت یہ ہے کہ براہ راست بنک سے تعاون کا معاملہ بن جاتا ہے۔ انہیں اپنے قواعد کی رو سے یہ اختیار حاصل ہوتا ہے کہ وہ اس رقم کو آگے لگا سکتے ہیں اور Invest کر سکتے ہیں اور کوئی کھاتے دار اس اکاؤنٹ سے عند الطلب پورا پیسہ نکلوا بھی نہیں سکتا۔ اس کے برعکس کرنٹ اکاؤنٹ کی رقم کی حیثیت ایک امانت کی سی ہوتی ہے کھاتے دار جب چاہے پوری رقم نکلوا سکتا ہے لہٰذا سیونگ اکاؤنٹ کی رقم بنک کے سودی کاروبار کے لئے ایک معاونت

بنتی ہے۔ اس سوال کے جواب کے بعد ڈاکٹر صاحب نے فرمایا:۔

تیسرا بڑا دائرہ ہمارے معاشرے میں رشوت کا ہے۔ رشوت خوری قطعی حرام ہے اور یہ کسی درجہ میں بھی تنظیم کے لئے قابلِ قبول نہیں ہے۔ یہ عذر کہ تنخواہ کم ہے۔ گذر نہیں ہوتی۔ مہنگائی نے کمر توڑ دی ہے۔ شیطان کا اغوا ہے اور قطعی خارج از بحث ہے۔ رشوت لینا بھی حرام مطلق ہے۔ یہی صورتِ حال رشوت دینے کی ہے۔ جس کا مفاد یہ ہوتا ہے کہ اس کے ذریعہ ناجائز انتفاع کیا جائے۔ کسی کے حق پر ڈاکہ ڈالا جائے۔ حکومتِ وقت کی پابندیوں سے بچا جائے۔ مالی منفعت حاصل کی جائے وغیرہ وغیرہ یہ بھی ہرگز جائز نہیں ہے۔ البتہ اس میں ایک رخصت اور اضطرار کی صورت ہوسکتی ہے کہ انسان مجبور ہو جائے کہ اپنا جائز حق حاصل کرنے کے لئے استحصال بالجبر کے طور پر کچھ دینا پڑے۔ لیکن ایسے معاملات میں بھی ان شرائط کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے کہ اپنے حقوق سے تجاوز نہ ہو۔ کسی دوسرے کے حقوق پر دست درازی نہ ہو۔ حکومت کے قواعد وضوابط سے کوئی استثنیٰ (Exception) مقصود نہ ہو۔ کوئی ترجیحی سلوک مدنظر نہ ہو تو ان شرائط کے ساتھ اگر کوئی انسان اپنا جائز حق وصول کرنے یا بے جا پریشانیوں سے بچنے کے لئے کسی رشوت خور اور ظالم اہل کار یا متعلق فرد کا منہ بھرنے کیلئے مجبور ہو جائے تو اسے رشوت سے تعبیر نہیں کیا جائے گا بلکہ یہ ایک طرح کا تاوان شمار کیا جائے گا۔

اس کے بعد ڈاکٹر صاحب نے دعوت دی کہ تنظیم میں شمولیت اور رفاقت کے لئے جو شرائط آج پیش ہوئی ہیں اور ان کی تھوڑی بہت جو وضاحت پیش ہوئی ہے۔ اس ضمن میں کوئی سوال ہو۔ کوئی مسئلہ وضاحت طلب ہو تو پیش کیا جائے۔ چنانچہ حسب ذیل سوالات کئے گئے۔

پوچھا گیا کہ پروویڈنٹ فنڈ پر جو سود ملتا ہے۔ اس کی کیا حیثیت ہوگی۔ ع جواب دیا گیا کہ سود کسی شکل اور صورت میں کیا جائے چاہے وہ ایک پیسہ ہی کیوں نہ ہو۔ مطلقاً حرام ہے البتہ اس فنڈ میں جو حصہ Contribution شامل کرتا ہے وہ مشاہرہ ہی کا ایک حصہ ہے۔ اس پر سود کا اطلاق نہیں ہوگا۔ مزید برآں یہ کہ ہمارے رفقا کو اپنے اپنے اداروں کو جہاں وہ ملازمت کرتے ہوں اور انہیں پروویڈنٹ فنڈ کی

سہولت حاصل ہو یہ لکھ کر دیا ہوگا کہ ان کے پروویڈنٹ فنڈ اکاؤنٹ پر سود ہرگز محسوب نہ کیا جائے۔

دوسرا سوال انکم ٹیکس کے بچانے کے لئے غلط حساب یا دو کھاتے رکھنے کے متعلق کیا گیا۔ جواب دیا گیا کہ ہمارے نزدیک یہ فعل بھی جائز نہیں ہے اور اسے بھی کسی درجہ میں گوارا کرنے کے لئے ہم تیار نہیں ہیں۔ اگرچہ اس کے دلائل بڑے قوی ہیں۔ یوں ہوتا ہے نہ دوں ہوتا ہے۔ ان ہی دلائل کے تحت بعض لوگوں کے پاس علماء کے فتاوی بھی موجود ہیں جن کے تحت وہ یہ سارے کام کر بھی رہے ہیں۔ لیکن چونکہ اس میں غلط بیانی (Mis-statement) ہوتا ہے لہٰذا یہ اپنی رُوح کے اعتبار سے دروغ اور کذب کی تعریف میں آجاتا ہے۔ جس کو کسی درجہ میں بھی گوارا نہیں کیا جا سکتا۔ آدمی صحیح صحیح اکاؤنٹ رکھے۔ بالکل درست گوشوارے (Returns) داخل کرے پھر اگر کوئی آفیسر ظلم اور زیادتی کرتا ہے تو اس کیس کو لڑے۔ ٹریبونل تک جائے۔ ایسی مثالیں اس ملک میں موجود ہیں کہ لوگوں نے جب اس طرح جنگ کی ہے تو آخر کار انہوں نے اپنے اکاؤنٹ کو صحیح تسلیم کرا ہی لیا ہے۔ اس سلسلہ میں جو مجاہدہ ہوگا، وہ دراصل دعوتِ حق کے لوازم میں شامل ہوگا۔ اس ضمن میں آخری شکل یہی ہو سکتی ہے کہ فرض کیجئے کہ صحیح حسابات پر محکمہ کی انکم ٹیکس کی غلط تشخیص کی وجہ سے کسی کا کاروبار تباہ ہو جاتا ہے اور وہ مجبور ہو جاتا ہے کہ وہ اس چلتے ہوئے کاروبار کو اونے پونے بیچ دے یا بند کر دے اور کوئی دوسرا دھندا یا ملازمت تلاش کرے تو اگر ہمارے اس بگڑے ہوئے معاشرے میں کسی نے اس ظلم کو انگیز کر لیا اور غلط حسابات رکھنے سے دامن بچا لیا تو مجرد اس کا یہ عمل بغیر اس کے وہ کوئی تقریر کرے وعظ کرے، نصیحت کرے، مبلغ بنے اور چلّے کاٹے اور چلّے دے اس کا محض یہ عمل لاکھوں تقریروں سے زیادہ اُس ماحول میں، بازار میں، منڈی میں تبلیغ و دعوت کے لحاظ سے موثر ہوگا۔ اور لوگ جان لیں گے کہ یہ بھی غلط حسابات رکھ کر اور رشوتیں دے دلا کر سب کچھ کرا سکتا تھا اور کراتا رہا تھا۔ لیکن اس نے تجدید ایمان توبہ اور تجدید عہد کی جس دعوت کو قبول کیا ہے اس کی خاطر اصول کی قربانی گوارا نہیں کی بلکہ اپنا کاروبار تباہ کرا لیا۔ صحیح حسابات رکھنے اور صحیح گوشوارے (Returns) داخل کرنے کے

نتیجہ میں جو سب سے زیادہ بُری چیز ہو سکتی ہے وہ یہی انجام ہو سکتا ہے۔ لیکن یہ انجام انشاءاللہ دُنیا اور آخرت میں فوز و فلاح کا باعث ہوگا۔ اور یہ طرزِ عمل انشاءاللہ دعوت و تبلیغ کے لحاظ سے لوگوں میں عزیمت کا رویہ اختیار کرنے کے لئے ایک اہم نشان بن جائے گا۔

ایک سوال فلم سازادارے سینما گھر کھولنے اور اداکاری کے پیشہ کے متعلق کیا گیا جواب میں کہا گیا کہ ایسے تمام ذرائع معاش بھی معصیت فاحشہ میں شمار ہوں گے۔ جن سے اجتناب بھی ضروری ہوگا۔

ریڈیو اور ٹیلی ویژن کی ملازمت اور صنعت کے پیشہ کے متعلق سوال کیا گیا۔ جواب دیا گیا ہے اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ اس کی مثال تلوار کی سی ہے کہ تلوار کے غلط استعمال سے فی نفسہ تلوار بنانا غلط قرار نہیں دیا جا سکتا۔ انشورنش پالیسی کے متعلق سوال کے جواب میں کہا گیا کہ ان کا رکھنا جائز نہیں ہے۔ ان کو ختم کرانا ہوگا۔ البتہ جن چیزوں کی انشورنش حکومت کی طرف سے لازم قرار دی گئی ہے ان کی اضطرار کے تحت رخصت دی جا سکتی ہے۔ حکومت کی جانب سے بچت اور ادخارِ زر کی مختلف اسکیموں کے متعلق سوالات کے جواب میں کہا گیا کہ۔ جن سرٹیفکیٹ یا بونڈز پر مقررہ (Fixed) سالانہ منافع دیا جاتا ہو، وہ سود کی تعریف میں آتے ہیں۔ ان کی خرید و فروخت قطعی ناجائز ہے۔ موجودہ دور میں انعامی بونڈز (Prize Bonds) سب سے بڑی لعنت ہے۔ اس میں جوا سٹہ۔ لاٹری اور سود سب گڈمڈ ہیں اور اس طرح یہ بہت سے خبائث کا مجموعہ بن گیا ہے۔ ان تمام اسکیموں میں N.I.T یونٹ میں مقابلتاً قباحت کچھ کم تھی۔ ان کی حیثیت کی سی معلوم ہوئی تھی لیکن اب اس میں بھی اشتباہ کی شکل پیدا کر دی گئی ہے کہ Fixed Profit اتنا ضرور ملے گا۔ پس سمجھ لیجئے اس ماحول میں پاک صاف راستہ تو ڈھونڈے سے بھی نظر نہیں آئے گا۔ ہمیں بیچ و خم کے تمام راستوں سے بچ کر چلنا ہوگا۔ لمیٹڈ کمپنیوں کے Shares کے متعلق سوال کے جواب میں کہا گیا کہ اس میں اصل اصول شراکت ہے اس میں نفع و نقصان دونوں شامل ہوتے ہیں لہٰذا ایسے حصص لینے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

اس نشست کے اختتام سے قبل ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ "الحمدللہ تنظیم اسلامی کی قرارداد، اس کی توضیحات اور دستور کے حصہ اوّل مشتمل بر نام اور شرائط شمولیت"

کے مراحل طے ہو گئے اور ہماری تنظیم کے اساسی نظریات اور بنیادی معتقدات سامنے آ گئے۔ اب تیسرا مرحلہ "ہیئتِ تنظیمی" کا باقی ہے۔ جو کل کی نشست میں ان شاء اللہ زیرِ غور آئے گا۔ جو شرکاء اب تک کے طے شدہ مسائل سے کامل اتفاق رکھتے ہوں۔ وہ کل کے اجلاس میں شرکت فرمائیں۔ جو حضرات مزید غور و فکر یا افہام و تفہیم کی ضرورت سمجھیں وہ توقف فرمائیں۔ اس وقت مطلوب یہ ہے کہ اس مرحلہ پر جو بھی رفاقت قبول کرنے کا فیصلہ کرے، وہ پورے انشراحِ صدر کے ساتھ کرے۔ پورے احساس ذمہ داری کے ساتھ کرے اور اس شعور کے ساتھ کرے کہ تنظیم میں شامل ہونے پر اُسے کیا اختیار کرنا ہوگا اور کیا چھوڑنا ہوگا۔ البتہ ہم میں سے ہر ایک کو یہ بات ضرور پیشِ نظر رکھنی چاہیئے کہ عزم و ارادہ اس کو کرنا ہے۔ اسی عزم و ارادہ کی بنیاد پر اُسے انشاء اللہ اس راہ پر چلنے کی توفیق من جانب اللہ حاصل ہوگی جیسا کہ فرمایا۔

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ط وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى ۝ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى ۝ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى ۝

اس کے بعد اس نشست کی کارروائی دعا پر اختتام پذیر ہوئی۔

کراچی میں مرکزی انجمن کی مطبوعات حسبِ ذیل مکتبوں سے دستیاب ہو سکتی ہیں

۱ ـــــ مکتبہ اسحاقیہ جونا مارکیٹ

۲ ـــــ مدینہ پبلشنگ ہاؤس ـــــ ایم۔ اے جناح روڈ

۳ ـــــ طاہر بک ڈپو ـــــ پریڈی اسٹریٹ صدر

۴ ـــــ اقبال بک ڈپو ـــــ " " "

۵ ـــــ جنرل بک ڈپو ـــــ فریئر روڈ نزد آرام باغ روڈ

رفتارِ کار

جمیل الرحمٰن

دعوتِ رجوع الی القرآن

لاہور بفضلہٖ تعالیٰ دعوتِ لاہور میں مسجد شہداء میں ہر اتوار کی صبح کو ۹ بجے درسِ قرآن کا سلسلہ جاری ہے۔ آج کل سورۃ النساء زیرِ مطالعہ ہے۔ الحمدللہ! تادمِ تحریر اس سورۂ مبارکہ کے نو رکوع کا مطالعہ کیا جا چکا ہے۔ اِس درسِ قرآن کو لاہور میں مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ حاضری اکثر پانچ سو سے بھی متجاوز ہو جاتی ہے۔ جن میں عظیم اکثریت اعلیٰ تعلیم یافتہ حضرات کی ہوتی ہے، خواتین کے لیے پردے کا بھی انتظام ہوتا ہے۔

مسجدِ خضرا میں خطبۂ جمعہ سے قبل "اربعینِ نووی" سے درسِ حدیث ہوتا ہے۔ تادمِ تحریر تیئیس احادیث کا مطالعہ مکمل ہو چکا ہے۔ نمازِ جمعہ کے بعد درسِ قرآن ہوتا ہے۔ اِس مسجد میں تقریباً ساڑھے چار سال قبل سلسلہ وار درسِ قرآن شروع ہوا تھا۔ آجکل سورۂ مریم زیرِ مطالعہ ہے، جس کے چار رکوع مکمل ہو چکے ہیں۔ اِس درس میں اوسط حاضری دو سو کے لگ بھگ ہوتی ہے۔ اس مسجد میں بھی خواتین کے لیے پردے کا انتظام ہوتا ہے۔

یکم جنوری ۱۹۷۷ء کو ۱۰ محرم الحرام کی تاریخ تھی۔ چنانچہ اس روز بعد نمازِ مغرب ڈاکٹر صاحب نے مسجد خضرا میں "عظمتِ صحابہؓ" پر تقریر فرمائی اِس مجلس کے دوسرے مقرر جناب میاں عبدالرشید صاحب تھے۔

لاہور میں مختلف کالجوں اور دینی، رفاہی اور ثقافتی اداروں سے ڈاکٹر صاحب کو مسلسل خطاب اور درس کے دعوت نامے موصول ہوتے رہتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کی مختص مصروفیات کے پیشِ نظر ہر جگہ وقت دینا بڑا مشکل ہوتا ہے، تاہم امکان بھر کوشش کی جاتی ہے کہ دعوت پہنچانے کے ہر موقع سے فائدہ اُٹھایا جائے۔ چنانچہ ۸ جنوری ۱۹۷۷ء کو ایف۔ سی کالج کی جونیئر بیالوجی سوسائٹی کے عہدیداران کی رسمِ حلف برداری میں ڈاکٹر صاحب نے شرکت کی اور اس موقع پر کالج میں "ارتقائے انسان اور قرآن" کے موضوع پر خطاب کیا۔ اِس موقع پر کالج کے وائس پرنسپل

اور شعبے کے تمام پروفیسرز اور لیکچررز صاحبان نے برملا کہا کہ ہمیں آج معلوم ہوا ہے کہ سائنسی حقائق کے لیے قرآن مجید میں محکم شواہد اور واضح اشارات موجود ہیں۔

۲۷ جنوری ۱۹۷۷ء کو ڈاکٹر صاحب نے نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف پبلک ایڈمنسٹریشن لاہور میں "اسلام میں ترقی کا مفہوم" کے موضوع پر لیکچر دیا۔ اس ادارے کے تحت وفاقی اور صوبائی حکومت کے اعلیٰ افسران کی تربیت کے لیے مختلف کورسوں کا انتظام ہوتا ہے۔ اسی ادارے میں ڈاکٹر صاحب نے ۲ فروری کو دوسرا لیکچر "اسلام کی نشاۃِ ثانیہ کے لیے احیائی عمل" کے موضوع پر دیا، یہ دونوں لیکچرز بے حد پسند کئے گئے۔

۴ فروری ۱۹۷۷ء کے جمعہ کو ڈاکٹر صاحب نے مسجد خضرا کے بجائے پی۔ ایف بیس لاہور چھاؤنی کی جامع مسجد میں خطبۂ جمعہ سے قبل "اسلام کا فلسفۂ شہادت و جہاد" کے موضوع پر خطاب کیا۔ اس بیس میں چار مساجد ہیں، لیکن ڈاکٹر صاحب کے خطاب کی وجہ سے اس جمعہ کو تین مساجد میں جمعہ کا اہتمام نہیں کیا گیا تاکہ تمام نمازی جامع مسجد میں ڈاکٹر صاحب کے خطاب میں شریک ہو سکیں۔ جامع مسجد کھچا کھچ بھری ہوئی تھی۔ مسجد کے باہر میدان میں کافی صفوں کا انتظام تھا۔ تقریباً صفیں ایک بجے تک ہی پُر ہو گئیں۔ ڈاکٹر صاحب کا یہ خطاب بہت پسند کیا گیا، اس کو بھی ٹیپ کر لیا گیا ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ مناسب وقت پر "میثاق" میں پیش کیا جائے گا۔ نماز کے بعد مکتب کے چھوٹے بچوں نے حُسنِ قرأت کا مظاہرہ کیا۔ اس مبارک مجلس کی صدارت ڈاکٹر صاحب نے انجام دی۔

اسی روز ریواز گارڈن کی جامع مسجد میں نمازِ عصر کے بعد ڈاکٹر صاحب نے ایک خطبۂ نکاح انجام دیا۔ اس موقع پر لوگوں کو توجہ دلائی گئی کہ شادی بیاہ کی تقاریب کو سُنّت کے مطابق انجام دینے کی کوشش اصلاحِ معاشرہ کے نقطۂ نظر سے بہترین کاموں میں سے ہے۔

۱۶ فروری ۱۹۷۷ء کو ڈاکٹر صاحب نے پنجاب ایمپلائیز سوشل سیکورٹی انسٹی ٹیوٹ میں "اسلام اور ضبطِ ولادت" پر لیکچر دیا

اسی انسٹی ٹیوٹ میں ۲۶ فروری کو ان شاء اللہ ڈاکٹر صاحب "اسلام اور حُقوق العباد" کے موضوع پر لیکچر دیں گے۔

چنیوٹ | جناب حاجی محمد رفیق سہگل صاحب کا عرصہ سے بے حد اصرار تھا کہ ڈاکٹر صاحب چنیوٹ آکر "دعوت رُجوع اِلَی القرآن" پیش کریں۔ اس مقصد کے لیے وہ لاہور بھی تشریف

لائے تھے چنانچہ ۲۴ جنوری کی صبح کو ڈاکٹر صاحب چینوٹ تشریف لے گئے۔ ایک روز قبل لاہور اور اس کے تمام قریبی اضلاع میں خوب بارش ہو چکی تھی، چنیوٹ میں بھی بارش اور سردی کے شدید اثرات موجود تھے۔ ۲۴ جنوری کو چنیوٹ میں ڈاکٹر صاحب نے خواتین کے ایک اجتماع کو سورۂ تحریم اور سورۂ احزاب کی آیات کی روشنی میں خطاب کیا۔ جس کے ذریعہ از رُوئے قرآن مسلمان خواتین کی ذمہ داریوں پر رُوشنی ڈالی۔ اِسی شب کو شاہی مسجد میں بعد نمازِ عشاء ڈاکٹر صاحب نے "عظمتِ صحابہؓ" کے موضوع پر خطاب کیا، شدید سردی کے باوجود کثیر تعداد میں لوگوں نے شرکت کی۔ ۲۵ جنوری کو بعد نمازِ فجر ڈاکٹر صاحب نے مسجدِ شیخاں میں درسِ قرآن دیا، جس میں سُورۂ جمعہ کی آیت : هُوَ الَّذِىْ بَعَثَ فِى الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۗ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۙ کی روشنی میں انقلابِ نبوی علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام کے اساسی طریق منہاج کو بیان کیا۔ اُسی روز ۱۰ بجے ڈاکٹر صاحب نے اصلاح ہائی اسکول کے طلبہ و اساتذہ کو "نوجوانوں کے دینی و ملّی فرائض" کے موضوع پر خطاب کیا۔۔ اُسی دن بعد ظہر ڈاکٹر صاحب لاہور واپسی کے لیے روانہ ہو گئے۔

سکھر | دسمبر میں کراچی جاتے ہوئے ۱۲ ر اور ۲۲ ر دسمبر دو دن ڈاکٹر صاحب نے سکھر میں میں قیام کیا۔ وہاں کی رُوداد جناب عبد اللطیف صاحب نے قلم بند کر کے ارسال کی تھی، جو پیشِ خدمت ہے :۔

ڈاکٹر صاحب کے گذشتہ دورۂ سکھر کے اختتام پر جناب سیّد حسن میاں ایڈووکیٹ نے باصرار اس خواہش کا اظہار کیا تھا کہ آئندہ پروگرام کے موقع پر کم از کم ایک نشست مسجد سے باہر کسی ایسی جگہ رکھی جائے جہاں مسجد میں نہ آنے والے حضرات شرکت کر سکیں۔ موصوف کا استدلال یہ تھا کہ ڈاکٹر صاحب کا درسِ قرآن جدید تعلیم یافتہ اور مغرب زدہ نوجوانوں کو سُنوانے کیلئے زیادہ مفید اور سود مند ہے۔ اِس سے قبل ایک مرتبہ سیّد حسن میاں صاحب اور جناب ڈاکٹر خالد مسعود میاں، کی تحریک پر شہر کے سب سے فیشن ایبل ہوٹل" انڈس پاک اِن" میں ڈاکٹر صاحب نے روٹری کلب کے زیرِ اہتمام کلب کے ممبران اور معززینِ شہر کی ایک بڑی تعداد سے خطاب فرمایا تھا۔ جس سے تمام سامعین بے حد متأثر ہوئے تھے اور تقریباً تمام حضرات نے باصرار اور بصد شوق اس مجلس میں' انجمن خدّام القرآن' کی جانب سے بلا قیمت تقسیم کردہ پمفلٹ" سورۂ

والعصر کی تفسیر" پر ڈاکٹر صاحب سے دستخط حاصل کئے تھے۔

"انٹر پاک اِن" میں ڈاکٹر صاحب کی تقریر کے اختتام پر روٹری کلب کی جانب سے شکریہ ادا کرتے ہوئے سیّد حسن میاں نے فرمایا تھا کہ "میں آج تک یہ سمجھتا تھا کہ قرآن کریم میں اکثر و بیشتر قصّے کہانیاں بیان کی گئی ہیں، جن میں آپس میں کسی قسم کا ربط نہیں مگر ڈاکٹر صاحب کی تقریر سُن کر آج یہ بات منکشف ہوئی کہ قرآن کریم نہ صرف باہم مربوط ہے بلکہ واقعی کتابِ رُشد و ہدایت ہے۔ اور قرآن کریم پر میرے تمام ہی شکوک و شبہات کا ازالہ ہوگیا ہے"۔ روٹری کلب کے صدر جناب اخلاق حسین صاحب (موصوف اے۔سی۔سی سیمنٹ فیکٹری کے جنرل مینجر ہیں) نے صدارتی تقریر میں کہا کہ مجھے یہ بات بہت عجیب سی معلوم ہوتی تھی کہ ایک ایم۔بی۔بی۔ایس ڈاکٹر کا درسِ قرآن سے کیا تعلق ہوسکتا ہے۔ مگر تقریر سُن کر یہ محسوس ہوا کہ ڈاکٹر صاحب نے قوم کے جسمانی علاج کا پیشہ ترک کرکے رُوحانی علاج کا جو سلسلہ شروع کیا ہے وہ بے حد مفید اور اشد ضروری ہے۔

چنانچہ ۲۱ر دسمبر کو بعد نمازِ عشاء مکّی مسجد میں درسِ قرآن اور ۲۲ر دسمبر کو بعد نمازِ مغرب ریلوے انسٹی ٹیوٹ ہال میں "اسلام میں نیکی کا تصوّر" کے موضوع پر تقریر کا پروگرام بنایا گیا۔ پروگرام میں، خصوصاً ریلوے انسٹی ٹیوٹ والے پروگرام کی تشہیر کے سلسلے میں، پیرانہ سالی کے باوجود سیّد حسن میاں صاحب نے بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا۔ تمام عدالتوں میں جج حضرات اور وکلا کی بڑی تعداد کو بہ نفسِ نفیس پروگرام کے ہینڈ بل تقسیم کئے اور تفصیل سے ڈاکٹر صاحب کا تعارف کرانے کے بعد تقریر میں شرکت کا وعدہ لیا۔

۲۱ر دسمبر کو بعد نمازِ عشاء مکّی مسجد نزد ابنِ قاسم پارک میں ڈاکٹر صاحب نے سورہ کہف کے آخری رکوع کا درس دیا۔ باشندگانِ سکھر گرمی برداشت کرنے کے معاملہ میں اپنا ثانی نہیں رکھتے لیکن سردی کے معاملہ میں بے حد کمزور واقع ہوئے ہیں۔ اُس روز صُبح سے ہی مطلع ابر آلود تھا اور ہوا میں کافی خنکی تھی، جس سے شدید خدشہ تھا کہ آج حاضری بہت کم رہیگی مگر خلافِ توقع مسجد کا ہال کھچا کھچ بھر گیا اور کافی حضرات کو برآمدے میں بیٹھنا پڑا۔ ڈاکٹر صاحب نے اس سورت کے عمود اور اس کے مرکزی مضمون پر قدرے تفصیل سے گفتگو کی

۲۲ر دسمبر کو بعد نمازِ مغرب ریلوے انسٹی ٹیوٹ میں "اسلام میں نیکی کا تصوّر" کے موضوع پر تقریر تھی۔ اسٹیج پر ڈاکٹر صاحب کی نشست اور ہال میں کرسیوں پر سامعین کی نشست کا

انتظام تھا۔ باہر برآمدہ میں مکتبہ بھی لگایا گیا تھا۔ حاضری اڑھائی سو کے لگ بھگ تھی تقریر میں ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ قرآن مجید کے دوسرے پارے کی آیت ۱۷۷، نیکی کے اسلامی تصور کی مکمل تصویر واضح کر رہی ہے۔ نیکی میں کیا مقدّم ہے، کیا مؤخّر ہے، اصول کیا ہیں اور فروع کیا ہیں؟ ڈاکٹر صاحب نے پوری تفصیل اور انتہائی دل نشیں انداز میں اس آیت کی روشنی میں موجودہ مسلمان معاشرہ میں نیکی کے غلط تصوّرات پر تنقید و تبصرہ کیا اور نیکی کے صحیح تصوّر اور اس کے ایک ایک جزو پر عمل درآمد کی ضرورت کو واضح کیا۔ بعد ازاں ڈاکٹر صاحب نے سامعین کو بتایا کہ گذشتہ دس برس سے انہوں نے قرآنِ کریم کے تعلیم و تعلّم کو اپنی زندگی کا مقصدِ وحید بنا رکھا ہے اور اسی سلسلہ میں لاہور کے علاوہ کراچی اور سکھر کا سلسلہ بھی جاری رہا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ انہوں نے قرآنِ کریم سے ایک نصاب مرتّب کیا ہے، اگر کوئی شخص اس منتخب نصاب کا مطالعہ سنجیدگی سے اور تھوڑی سی محنت سے کرے تو میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ اس کو قرآن مجید سے ایک ذہنی اور قلبی مناسبت قائم ہو جائے گا۔

ڈاکٹر صاحب کی یہ تقریر تقریباً پونے دو گھنٹے جاری رہی۔

کراچی یہ رپورٹ رفیقِ محترم قاضی عبد القادر صاحب کی مرتّب کردہ ہے:-

سکھر کے پروگرام سے فارغ ہو کر ۲۲ دسمبر بروز جمعرات ڈاکٹر صاحب کراچی پہنچے۔ سندھ ایکسپریس اس روز تقریباً پانچ گھنٹے لیٹ تھی، جس کے باعث نصف دن ضائع ہو گیا۔ اسی روز بعد نمازِ مغرب ڈاکٹر صاحب نے کراچی تھیوسوفیکل ہال میں 'تنظیمِ اسلامی' کے زیرِ اہتمام ایک اجتماعِ عام کو "ہمارے قومی، ملّی اور دینی فرائض" کے موضوع پر خطاب کیا۔ موصوف نے 'تنظیمِ اسلامی' کی دعوت کے اساسی نکات کا تعارف کراتے ہوئے بتایا کہ ہماری یہ تنظیم لوگوں کو تجدیدِ ایمان، توبہ، اور تجدیدِ عہد کی دعوت دینے کے لیے قائم کی گئی ہے جس کے بغیر ہمارے معاشرے کا نہ تعلّق باللہ درست ہو سکتا ہے نہ ایمان بالآخرت صحیح ہو سکتا اور نہ ہی ختم المرتبت، سیّد المرسلین، خاتم النبیّین جناب محمد مصطفےٰ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی رسالت پر پختہ یقین حاصل ہو سکتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے پاکستانی مسلم معاشرے کا بے لاگ تجزیہ کرتے ہوئے بتایا کہ ہمارے معاشرے میں ہر طبقہ کا دین سے تعلّق منقطع ہو چکا ہے اور ان ایمانیات سے بُعد ہو چکا ہے جن پر اسلام کے قصرِ رفیع کی تعمیر ہوتی ہے۔ اِلّا ماشاء اللہ۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ بظاہر جو تعلّق نظر آتا ہے وہ اِس کے سوا اور کچھ نہیں کہ ہم کو چند عقائد اور چند رسومات

وراثتاً منتقل ہوئے ہیں - ایمانِ حقیقی سے ہمارے سوادِ اعظم کے قلوب خالی ہیں - اگر حقیقی ایمان ہوتا تو ہمارے معاشرے کی دینی نقطۂ نظر سے یہ زبوں حالی نہ ہوتی جس سے فی الواقع ہم دوچار ہیں ـــــ اِس اجتماع کی صدارت تنظیم کے معتمد شیخ جمیل الرّحمٰن صاحب نے فرمائی۔ اس شام کو چند دینی جماعتوں کے اپنے پروگرام ہونے کے باوجود، الحمدللہ! ہال سامعین سے بھرا ہوا تھا۔ اجتماع کی کاروائی تقریباً تین گھنٹے جاری رہی۔ اختتام پر عشاء کی نماز باجماعت قریب کی مسجد میں ادا کی گئی۔ اس موقعہ پر 'تنظیم اسلامی' کی دعوت کے بنیادی نکات پر مشتمل حاضرین میں ایک خوبصورت دو ورقہ بھی تقسیم کیا گیا۔

۲۴ر دسمبر کو کراچی کے مشہور تجارتی علاقے میریٹ روڈ میں، بخاری مسجد میں ڈاکٹر صاحب نے خطبۂ جمعہ سے قبل خطاب فرمایا جس میں ایمان بالآخرت کی اہمیت کو واضح کیا اور بتایا کہ ہمارے معاشرے میں کوئی مستقل اور پائیدار اصلاح اُس وقت تک ممکن نہیں ہے جب تک لوگوں کو آخرت پر دل والایقین حاصل نہ ہو جائے۔ ہمارے معاشرے میں دینی و اخلاقی خرابیوں کی اصل وجہ یہی ہے کہ ہمارے دلوں سے محاسبۂ اُخروی کا خوف نکل گیا ہے، یا اُس کے بارے میں ہم مختلف مغالطوں اور غلط فہمیوں میں مبتلا ہو گئے ہیں۔

اسی شام بعد نمازِ عصر جمعیت الفلاح ہال میں سہ روزہ قرآنی تربیت گاہ کا آغاز ہوا۔ اس پروگرام کے لیے تین دن اور پانچ نشستیں مقرّر کی گئی تھیں۔ چونکہ ہفتہ اور اتوار (۲۵ر ۲۶ر دسمبر) کو عام تعطیل تھی لہٰذا ان دونوں میں صبح اور شام دو نشستیں رکھی گئی تھیں۔ الحمدللہ ان پانچ دنوں میں سورۂ کہف کا درس مکمل ہو گیا۔ اس تربیت گاہ میں سکھر اور لاہور سے بھی چند رفقاء نے شرکت فرمائی۔

'الفلاح ہال' ہی میں اتوار ۲۶ر دسمبر کو بعد نمازِ ظہر 'تنظیم اسلامی' کے رفقاء کا ایک خصوصی اجتماع ہوا، جس میں کام کا جائزہ لیا گیا اور تنظیم کے معتمد شیخ جمیل الرّحمٰن صاحب نے رفقاء کو آئندہ کام کے سلسلہ میں اہم ہدایات دیں۔

اتوار کو درس کے اختتام پر ڈاکٹر صاحب نے اعلان فرمایا کہ جو حضرات ہمارے کام کو سمجھنا چاہیں اور تعلیم و تعلّمِ قرآن کی دعوت میں ہمارے ساتھ کسی طرح سے بھی تعاون فرمانا چاہیں وہ اگلے روز بعد نمازِ مغرب جاپان مینشن میں تشریف لے آئیں۔ چنانچہ اگلے روز پرانے رفقاء کے علاوہ کچھ نئے حضرات بھی جاپان مینشن کے اجتماع میں شریک ہوئے، جہاں کافی

دیر تک ڈاکٹر صاحب کے ساتھ تبادلۂ خیال ہوتا رہا۔

دسمبر میں ڈاکٹر صاحب کی آمد کے موقع پر ہی یہ طے کر لیا گیا تھا کہ کراچی میں آئندہ درس کا پروگرام فروری کے آغاز میں رکھا جائے۔ چنانچہ اس پروگرام کے تحت ڈاکٹر صاحب اتوار ۴ر فروری کی شام کو کراچی پہنچے اور 'الفلاح ہال' میں پیر، منگل اور بدھ (۷ ر تا ۹ر فروری) بعد نمازِ مغرب تا عشاء سورۂ مریم کا درس دیا۔ مغرب کی نماز اور عشاء کی نماز (تاخیر کے ساتھ) ہال ہی میں ادا کی جاتی رہیں۔ بعض ساتھیوں کو یہ خدشہ تھا کہ انتخابات کی گہما گہمی کی وجہ سے درس کی مجالس کی حاضری متأثر ہوگی لیکن الحمدللہ ! ایسا نہیں ہوا۔ حاضری معمول کے مطابق تھی بلکہ تیسرے دن حاضری کچھ زیادہ ہی تھی۔ ظاہر ہے کہ جو حضرات پابندی اور غایت درجہ کی دلچسپی کے ساتھ ڈاکٹر صاحب کے درس کی مجالس میں شریک ہوتے ہیں اُن پر یہ وقتی ہنگامے اثر انداز نہیں ہوتے۔

۹ر فروری کو عصر تا مغرب 'رُفقاءِ تنظیم اسلامی' کا ایک خصوصی اجتماع منعقد ہوا جس میں ڈاکٹر صاحب محترم نے بھی شرکت فرمائی۔ رفتارِ کار کا جائزہ، تنظیمی امور پر تبادلۂ خیال کے علاوہ دعوت کی توسیع کے سلسلہ میں بھی ڈاکٹر صاحب نے مفید مشورے دیئے۔

اپنے اس دورے میں ڈاکٹر صاحب نے ۲ دو کالجوں میں بھی طلباء کے اجتماعات کو خطاب فرمایا۔ پہلا اجتماع پیر ۷ر فروری کو علامہ اقبال کالج میں اور دوسرا این۔ ای۔ ڈی (N.E.D) انجینئرنگ کالج کیمپس میں، منگل ۸ر فروری کو منعقد ہوا۔ انتظامات اور حاضری کے اعتبار سے انجینئرنگ کالج کا اجتماع نہایت شاندار تھا۔ یہ اجتماع دراصل خلافتِ راشدہ کانفرنس تھی جس میں ڈاکٹر صاحب کے علاوہ شاہ بلیغ الدین صاحب نے بھی تقریر فرمائی اور مولانا طٰسین صاحب نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سیرت پر ایک مقالہ پڑھا جو اُمید ہے کہ ان شاء اللہ جلد ہی 'میثاق' کے صفحات کی زینت بنے گا۔ ڈاکٹر صاحب نے ان خطابات میں نبی اکرمؐ کی بعثت کی اصل غرض یہ بیان فرمائی کہ آپؐ نے دینِ حق کو بالفعل قائم کیا، نافذ کیا اور دوسرے ادیان پر غالب کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ نبی اکرمؐ کی انقلابی جدوجہد کا نقطۂ آغاز دعوتِ ایمان تھی اور اس دعوت کا مرکز و محور قرآن حکیم تھا۔ تیئیس ۲۳ سال کی جاں گسل جدوجہد کے بعد، جس میں شدید کشمکش ہجرت اور جہاد تک کے مراحل آئے اور ہر مرحلہ پہلے سے شدید تر تھا۔ آپؐ نے نظامِ باطل کو بیخ و بن سے اُکھاڑ کر نظامِ حق کو قائم کر دیا اور یوں آپؐ کی زندگی میں جزیرہ نمائے

عرب کی حد تک انقلاب کی تکمیل ہو گئی۔ ڈاکٹر صاحب نے سوال کیا کہ کیا سارا کام حضورؐ نے تن تنہا انجام دیا؟ کیا آپؐ کے صحابہؓ اِس مقدّس کام میں آپؐ کے اعوان و انصار نہیں بنے؟ کیا یہ صحابہؓ نہیں تھے کہ جہاں حضورؐ کا پسینہ گرتا تھا وہاں وہ خون بہانا اپنی خوش قسمتی کی معراج سمجھتے تھے؟ آخر یہ کون تھے جو نیزے کھاتے تھے اور کہتے جاتے تھے کہ ربِّ کعبہ کی قسم ہم کامیاب ہو گئے؟

یہ رات کے راہب اور دن کے شہ سوار جنھوں نے دعوت کی راہ میں اپنے تن من دھن کی بازی لگا دی اور اپنے آپ کو اِس راہ میں کھپا دیا، کیا یہ حضورؐ کے صحابہؓ نہیں تھے؟ ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ اصحابِ محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے کردار کی جن عظمتوں پر پہنچ کر دکھایا ہے، پوری نوعِ انسانی ابھی اس کی گرد تک نہیں پہنچی۔ جو کہتا ہے کہ محمدؐ کے ساتھیوں میں بُغض تھا، اُن کے دلوں میں کدورت تھی۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ میں کہتا ہوں اُس کا قرآن پر ایمان ہی نہیں ہے۔ آپ نے کہا کہ اگر خلفائے راشدین کی شخصیت کو مجروح کر دیا جائے تو یہ اُس محبت کے خلاف سازش قرار پائے گی جو نبی اکرمؐ نے نوعِ انسانی پر قائم کی۔

جس طرح درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے اُسی طرح نبی اکرمؐ کی عظمت کا مظہر آپؐ کے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین تھے۔ جو حضراتِ صحابہؓ کی سیرت کو داغدار کرنا چاہتے ہیں اُن کے دلوں میں بُغض ہے۔ وہ لوگوں کے دلوں میں شکوک و شبہات کا غبار داخل کرنا چاہتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ ضرورت اس امر کی ہے کہ اِس غبار کو صاف کیا جائے اور شکوک و شبہات کے پردہ کو چاک کیا جائے۔

ڈاکٹر صاحب نے فرمایا کہ آج بھی ضرورت ایسے دیوانوں کی ہے جنھیں دنیا چاہے FANATIC کہے لیکن وہ دینِ حق کو عملاً قائم کرنے، نافذ کرنے اور ادیانِ باطلہ پر غالب کرنے میں اپنا مال و اسباب اور اپنے جسم و جان کی تمام صلاحیتیں اور توانائیاں کھپا دیں اِنّ صلوٰتی ونسکی و محیای و مماتی للہ رب العٰلمین! جن کا منتہائے مقصود وہی محمدؐ کا لایا ہوا انقلاب ہو، جس کا آج بھی چشمِ گیتی شدّت سے انتظار کر رہی ہے۔ مبارک ہیں وہ لوگ جو اس کام کو اپنی زندگی کا مشن بنالیں۔

آخر میں ڈاکٹر صاحب نے منتظمینِ جلسہ کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اس بات کی طرف توجّہ دلائی کہ اِن جلسوں کا جذبہ محرّک مثبت ہونا چاہیے۔ صحابۂ کرام کی سیرت کا مطالعہ بھی

فرقہ وارانہ جذبہ سے یا بحث وتمحیص کی خاطر نہ کیا جائے بلکہ شہادت علی الناس کے مقصد کی خاطر ہونا چاہیئے۔ اگر ایسا ہے تو مبارک ہے، یہ کام اور یہ جلسے اور یہ کانفرنسیں — اور اگر خدانخواستہ ایسا نہیں ہے تو مجھے اندیشہ ہے کہ اس قسم کی کانفرنسوں سے فائدہ کم ہوگا، نقصان زیادہ

عرضِ احوال (بقیہ از صـ۴)

میں منعقد ہوگی۔ افتتاحی نشست جمعہ کی وجہ سے نو بجے سے بارہ بجے تک ہوگی اور شام کی نشست ۵ بجے سے ۹ بجے شب تک۔ بعدۂ صبح کی نشست کے اختتام کا وقت ایک بجے دوپہر کر دیا جائے گا اور شام کی نشست کا وقت وہی ۵ تا ۹ بجے شب رہے گا۔ ملک کے متعدد علماء، زعماء اور دانش وران کو اس کانفرنس میں مقالے پیش کرنے اور خطاب فرمانے کے لیے مدعو کیا جا چکا ہے۔ تفصیلی پروگرام مرکزی انجمن کے دفتر سے طلب کیا جا سکتا ہے!!

چوتھی سالانہ قرآن کانفرنس کے متوقع شرکاء اِس کانفرنس میں شرکت فرما کر مقالات یا خطابات پیش کرنے کے حسب ذیل علماء، زعماء اور دانشوران کو دعوت نامے جاری کئے گئے ہیں۔ توقع ہے کہ ان میں سے اکثر حضرات اِنْ شاء اللہ العزیز اس کانفرنس میں شرکت فرمائیں گے۔

کراچی :-

جناب مولانا محمد یوسف صاحب بنوری
جناب مولانا عبد الحنان صاحب علوی
جناب مولانا محمد طاسین صاحب
جناب مولانا ماہر القادری صاحب
جناب ڈاکٹر منظور احمد صاحب
جناب پروفیسر الصبار عالم صاحب
جناب شاہ بلیغ الدین صاحب
جناب ڈاکٹر مظہر بقا صاحب

لاہور :-

جناب مولانا عبیدُ اللہ انور صاحب
جناب مولانا سیّد حامد میاں صاحب
جناب مولانا محمد مالک صاحب کاندھلوی
جناب مفتی محمّد حسین نعیمی صاحب
جناب مولانا عبد الرّحمٰن مدنی صاحب
جناب مولانا نعیم صدّیقی صاحب
جناب مولانا محمّد موسیٰ خان صاحب
جناب پروفیسر یُوسُف سلیم صاحب چشتی
جناب مرزا محمد مرزا محمّد منوّر صاحب
جناب پروفیسر محمّد اسلم صاحب
جناب چوہدری نذیر احمد صاحب
جناب اسعد گیلانی صاحب
جناب پروفیسر عبد الحمید صدیقی صاحب
جناب ڈاکٹر ابصار احمد صاحب
جناب حافظ احمد یار صاحب
جناب ڈاکٹر بُرہان احمد صاحب فاروقی
جناب ڈاکٹر محمّد سلیم صاحب فارانی
جناب ڈاکٹر عبد الودود صاحب
جناب ڈاکٹر امان اللہ ملک صاحب
جناب چوہدری مظفّر حسین صاحب
جناب محمد اسلم گورایہ صاحب
جناب جسٹس (ریٹائرڈ) بی۔ زیڈ کیکاؤس صاحب
جناب ڈاکٹر ظہور اظہر صاحب
جناب سیّد خورشید گیلانی صاحب

جناب سیّد امتیاز حسین صاحب
جناب علّامہ سیّد شبیر حسین بخاری صاحب
حیدرآباد :
جناب مولانا سیّد وصی مظہر صاحب ندوی
جناب ڈاکٹر اے۔ اے ہاسے پوٹا صاحب

مختلف مقامات :-
جناب مولانا شمس الحق صاحب افغانی (سرگودھا)
جناب پیر محمد کرم شاہ صاحب (بھیرہ)
جناب مولانا اللہ یار صاحب (چکڑالہ)
جناب علّامہ حافظ محمد صاحب گوندلوی (گوجرانوالہ)
مولانا عبداللہ صاحب (بہاول پور)
جناب ڈاکٹر غلام جیلانی برقؔ صاحب (کیمبل پور)
جناب عبدالرحمٰن صاحب (راولپنڈی)

نظریۂ مساواتِ مرد و زن

(بقیہ از صـ۲۶)

نے ان کے اس کام میں مزاحمت پیدا کرنے کی کوشش کی تو اس کو انہوں نے ٹھکانے لگا دیا۔ پس اگر آپ کو کام وہی کرنا ہے جو انہوں نے کیا ہے تو پھر اس کام کو اسی طرح کیجئے جس طرح انہوں نے کیا ہے اور یہ منافقانہ روش چھوڑیئے جو نہ تو دنیا میں سرخروئی کا باعث ہوگی نہ آخرت میں۔

تنظیم اسلامی پاکستان کا سالانہ اجتماع

اِنْ شَاءَ اللّٰہُ الْعَزِیْز! ۲۱ر مارچ بروز پیر بوقت ۹ بجے صبح بمقام ۳۶۔ کے ماڈل ٹاؤن لاہور میں منعقد ہوگا۔ قیام و طعام کا اجتماعی نظام ہوگا۔ لاہور کے رفقاء کو ۲۱ر مارچ کو صبح ۸ بجے تک اور باہر سے تشریف لانے والے رفقاء کو ۲۰ر مارچ کی شب تک اجتماع گاہ میں پہنچ جانا چاہیئے باہر سے آنے والے رفقاء اپنی آمد کے پروگرام سے ۱۵ر مارچ تک مطلع فرما دیں۔

اجتماع دوسرے دن ۲۲ر مارچ کو بھی جاری رہے گا۔ یعنی اجتماع ۲۱ر، ۲۲ر مارچ دو دن ہوگا۔

المعلن

لاھور میں

درسِ قرآن حکیم

کی دو اہم ہفت روزہ نشستیں جن میں

ڈاکٹر اسرار احمد

قرآن مجید کا سلسلہ وار درس دے رہے ہیں

۱ ہر اتوار کی صبح : مسجدِ شہداء، ریگل چوک میں ،

—— جس میں قرآن مجید ابتداء سے سلسلہ وار زیرِ درس ہے۔
اور حال ہی میں سورۃ النساء کا آغاز ہوا ہے

۲ ہر جمعہ کو بعد نمازِ جمعہ : مسجد خضراء، سمن آباد میں ،

—— جس میں اس وقت سولھواں پارہ زیرِ درس ہے ۔

نوٹ : دونوں اجتماعات میں خواتین کے لیے پردے کا انتظام ہوتا ہے۔

مزید برآں

جناب مختار حسین فاروقی

دو مقامات پر مطالعہ قرآن حکیم کے منتخب نصاب کا درس دے رہے ہیں :-

۱ - ہر جمعہ کو بعد نماز مغرب : انجمن رفاہ عام شادباغ کے ہال میں

۲ - ہر ہفتہ کو بعد نماز عشاء : مسجد مظاہر، عقب تھانہ مزنگ میں

صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کے لیے

بریدِ حرم

"المدینة المنورہ

جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب وفقکم اللہ لمایحب ویرضی،

السلام علیکم و رحمۃاللہ _____ (بلا تعارف و تمہید!)

'میثاق، بابت دسمبر ۷۶ء نظر پڑا بحث دلچسپ تھی ساری پڑھ گیا ۔ صفحہ ۳۶ تک تو مجھے اپنی ہی داستان معلوم ہوئی ۔ فضل خدا وندی یہ ہے کہ مودودی صاحب کی تحریک پہلی ملاقات کے پہلے گھنٹے (۱۹۳۷ء) ہی میں سمجھ میں آ گئی تھی اس لیے وہ پہلی ملاقات ہی آخری بن گئی رسالہ دیکھ کر اور مضمون پڑھ کر خوشی ہوئی ملت ابھی عقیم نہیں ہوئی اور اردو ادب ابھی یتیم نہیں ہوا ہے(اگر چہ دو ستارے، عظیم ستارے ابھی جنوری میں ڈوب گئے(ماجد , رشید رحمہما اللہ !)مولانا اصلاحی میرے اولین اور عظیم ترین اساتذہ میں ہیں (۱۹۲۳ء) بچپن کی تعلیم و تربیت بہت کچھ ان ہی کی مرہون منت ہے ، اختلاف آپ کو بھی ہو سکتا ہے اور مجھے بھی ۔ ۔ ۔ ۔ یہ تو جملہ معترضہ تھا بہر حال مجھے رسالہ دیکھ کر خوشی ہوئی ، انداز پسند آیا تجزیہ نگاری میں آپ کو اپنا مگر کامیاب تر حریف پایا ۔ ۔ ۔ آپ کی دلچسپی کے لئے یہ بھی عرض کر دوں کہ جناب کا یہ "مجلہ اسرار" مجھے مولانا علی میاں کی قیام گاہ پر اتفاقاً ملا ۔ بعد میں معلوم ہوا کہ حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب نے مولانا علی میاں کو واپسی کی شرط پر مطالعہ کے لئے عنایت فرمایا ہے ۔ مولانا موتمر کی شرکت کے لیے تشریف لے گئے اس عرصہ میں میں نے اس کو پڑھ ڈالا کیا یہ بتلانے کی ضرورت ہے کہ مولانا علی میاں آج کل مدینہ منورہ جامعہ اسلامیہ کی دعوت پر "موتمر الدعوۃ" میں آئے ہوئے ہیں ، حضرت شیخ الحدیث تو یہاں قیام فرما ہیں ہی اور اس بندہ کو اللہ تعالیٰ ہندستان کی ولادت سے پہلے ہی لے آئے تھے ۔ سن وہی تھا بلکہ مہینہ بھی ' بس اللہ کو میری نیت ہجرت کی لاج رکھنی تھی ۔ ۔ ۔ میں نے 'میثاق، بہت عرصہ بعد آج ہی دیکھا ، پہلے کبھی جب دیکھا تھا جب مولانا کی ادارت میں نکلا تھا ۔

آپ کا ایک نیا نیاز مند : محمد عبدالمالک

مراقب و مفتش مدارس القرآن مدینہ منورہ

و خادم محمدعلی اکادمی و خادم بزم اردو مدینہ منورہ"

Regd. L. No.

Monthly MEESAQ Lahore

Vol. 25 | MARCH 1977 | No. 3

ان شاء اللہ العزیز

چوتھی سالانہ

قرآن کانفرنس

ٹاؤن ہال، لاہور میں

بتاریخ ۲۵ تا ۲۷ مارچ ۱۹۷۷ء

منعقد ہوگی - کانفرنس کا پہلا اجلاس ۲۵ مارچ بروز جمعہ ۹ بجے صبح تا ۱۲ بجے دن ہوگا۔ شام کی نشست ۵ بجے شام تا ۹ بجے شب تک جاری رہے گی - بعدہ روزانہ صبح کی نشست ۹ تا ایک بجے دن اور شام کی نشست ۵ تا ۹ بجے شب منعقد ہوں گی - عصر، مغرب اور عشاء کی نمازیں با جماعت ہال کے سامنے ادا کی جائیں گی خواتین کے لیے پردے کا انتظام ہوگا -

ع : صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کے لیے

المعلن قمر سعید قریشی ، کنوینر قرآن کانفرنس سب کمیٹی -

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور